صبحِ وطن

مجموعۂ کلام پنڈت برج نرائن صاحب چکبست لکھنوی

سنہ ۱۹۱۸ء

باہتمام پنڈت کشن پرشاد کول

ہندوستانی پریس نظیر آباد لکھنؤ میں

طبع ہو کر شایع ہوا

پہلا ایڈیشن

قیمت فی جلد عہ

صبح وطن

مجموعۂ کلام پنڈت برج نرائن صاحب چکبست لکھنوی

سنہ ۱۹۱۸ع

باہتمام پنڈت کشن پرشاد کول

ہندستانی پریس نظیرآباد لکھنؤ میں

طبع ہو کر شایع ہوا

پہلا ایڈیشن

قیمت فی جلد ۱۲

صبح وطن

مجموعۂ کلام پنڈت برج نرائن صاحب چکبست لکھنوی

سنہ ۱۹۱۸ء

باہتمام پنڈت کشن پرشاد کول

ہندوستانی پریس نظیرآباد لکھنؤ میں

طبع ہوکر شایع ہوا

پہلا ایڈیشن

قیمت فی جلد عہ

نذرانۂ روح

(پنڈت بشن نرائن درمرحوم)

دلِ پُر درد کے ٹکڑے جو کیے ہیں یکجا
تیرے قدموں کے لیے تھا یہی میرا تحفا

مگر افسوس کہ یہ دین ادا ہو نہ سکا
اب سرِ لوح پہ ہے نقش یہ پیغامِ وفا

میرے سودائے طبیعت کا جو افسانہ ہے
مرنے والے یہ تری روح کا نذرانہ ہے

تیرا بندہ رہے دل سے یہی پیمان رہا
طائرِ فکر ترے اوج سے حیران رہا

قدر کرنا تری سیکھیں یہی ارمان رہا
یہی مسلک یہی مذہب یہی ایمان رہا

آبرو کیا ہے تمنائے وفا میں مرنا
دین کیا ہے کسی کامل کی پرستش کرنا

اب پرستش کو ہی باقی تری ہستی کی مثال
دل کے مندر کا اُجالا ہی یہ تصویر کمال
گو کہ یہ روح کا سودا ہے بلا خوف زوال
مگر اس خاک کے پُتلے کی ہے تسکین محال

یاد مٹتی نہین تیری دل حسرت زدہ سے
ہم کو معلوم ہوا آج محبت کیا ہے

مجھ سے یاران عدم نے یہ اگر فرمایا
حسرت آباد جہان سے تجھے کیا ہاتھ آیا
مین کہون گا کہ بس اک مہر کا دل پایا
زندگی کی یہی دولت ہے یہی سرمایا

لیکے دنیا سے یہی مُہر وفا آیا ہون
اپنے محسن کی غلامی کی سند لایا ہون

دل یہ کہتا ہے کہ جلنے کی لیاقت نہین خاک
خود بخود جان ہوئی جاتی ہو سینہ مین ہلاک
یہ مگر شرط وفا ہو نہون آنکھین نمناک
چڑھ کے غیرون کی نظر پہ نہون آنسو ناپاک

جسکی دنیا کو خبر ہو یہ وہ ناسور نہین
تیرے ماتم کی نمائش مجھے منظور نہین

چکبست لکھنوی

حصۂ اوّل

خاک ہند

سنہ ۱۹۰۵ء

اے خاک ہند تیری عظمت مین کیا گمان ہے — دریائے فیض قدرت تیرے لیے روان ہے
تیری جبین سے نور حسنِ ازل عیان ہے — اللہ رے زیب و زینت کیا اوج عزّ و شان ہے

ہر صبح ہے یہ خدمت خورشید پُر ضیا کی
کرنون سے گوندھتا ہے چوٹی ہمالیا کی

اس خاک دلنشین سے چشمے ہوئے وہ جاری — چین و عرب مین جن سے ہوتی تھی آبیاری
سارے جہان پہ جب تھا وحشت کا ابر طاری — چشم و چراغ عالم تھی سر زمین ہماری

شمع ادب نہ تھی جب یونان کی انجمن مین
تابان تھا مہر دانش اس وادی کہن مین

گوتم نے آبرو دی اِس معبدِ کہن کو — سرمد نے اس زمین پر صدقے کیا وطن کو
اکبر نے جام الفت بخشا اس انجمن کو — سینچا لہو سے اپنے راناعہ نے اس چمن کو

سب سور بیر اپنے اس خاک مین نہان ہین
ٹوٹے ہوے کھنڈر ہین یا انکی ہڈیان ہین

عہ رانا پرتاب فرمان رواے اودے پور =

دیوار و در سے ابتک ان کا اثر عیان ہی	اپنی رگون مین ابتک اُن کا لہو روان ہی
ابتک اثر مین ڈوبی ناقوس کی فغان ہی	فردوس گوش ابتک کیفیت اذان ہی

کشمیر سے عیان ہی جنت کا رنگ ابتک
شوکت سے بہ رہا ہی دریاے گنگ ابتک

اگلی سی تازگی ہی پھولون مین اور پھلون مین	کرتے ہین رقص ابتک طاؤس جنگلون مین
ابتک وہی کڑک ہی بجلی کی بادلون مین	پستی سی آگئی ہی پر دل کے حوصلون مین

گل شمع انجمن ہے گو انجمن وہی ہے
حب وطن نہین ہی خاک وطن وہی ہے

برسون سے ہو رہا ہی برہم سمان ہمارا	دنیا سے مٹ رہا ہی نام و نشان ہمارا
کچھ کم نہین اجل سے خواب گران ہمارا	اک لاش بے کفن ہی ہندستان ہمارا

علم و کمال و ایمان برباد ہو رہے ہین
عیش و طرب کے بندے غفلت مین سو رہے ہین

اے صور حب قومی اس خواب سے جگا دے	بھولا ہوا فسانہ کانون کو پھر سُنا دے
مُردہ طبیعتون کی افسردگی مٹا دے	اُٹھتے ہوے شرارے اس راکھ سے دکھا دے

حب وطن سمائے آنکھون مین نور ہو کر
سر مین خمار ہو کر دل مین سرور ہو کر

شیدائے بوستان کو سرو سمن مبارک　رنگین طبیعتون کو رنگ سخن مبارک
بلبل کو گل مبارک گل کو چمن مبارک　ہم بیکسون کو اپنا پیارا وطن مبارک

غنچے ہمارے دل کے اس باغ مین کھلینگے
اس خاک سے اٹھے ہین اس خاک مین ملینگے

ہی جوئے شیر ہم کو نور سحر وطن کا　آنکھون کی روشنی ہی جلوہ اس انجمن کا
ہی رشک مہر ذرہ اس منزل کہن کا　تلتا ہی برگ گل سے کانٹا بھی اس چمن کا

گرد و غبار یان کا خلعت ہی اپنے تن کو
مر کر بھی چاہتے ہین خاک وطن کفن کو

وطن کا راگ

سنہ ۱۹۱۷ع

زمین ہند کی رتبہ مین عرش اعلیٰ ہی　یہ ہوم رول کی امید کا اجالا ہے
مسز بسنٹ نے اس آرزو کو پالا ہے　فقیر قوم کے ہین اور یہ راگ مالا ہے

طلب فضول ہی کانٹے کی پھول کے بدلے
نہ لین بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

وطن پرست شہیدون کی خاک لائینگے — ہم اپنی آنکھ کا سرمہ اُسے بنائین گے
غریب ہان کے لیے درد دُکھ اُٹھائینگے — یہی پیام وفا قوم کو سُنائین گے

طلب فضول ہے کانٹے کی پھول کے بدلے
نہ لین بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

ہمارے واسطے زنجیر وطوق گہنا ہے — وفا کے شوق مین گاندھی نے جسکو پہنا ہی
سمجھ لیا کہ ہمین رنج ودرد سہنا ہے — مگر زبان سے کہینگے وہی جو کہنا ہے

طلب فضول ہی کانٹے کی پھول کے بدلے
نہ لین بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

پہنانے والے اگر بیڑیان پنہائین گے — خوشی سے قید کے گوشہ کو ہم بسائینگے
جو سنتری در زندان کے سو بھی جائینگے — یہ راگ گا کے اُنھین نیند سے جگائینگے

طلب فضول ہی کانٹے کی پھول کے بدلے
نہ لین بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

زبان کو بند کیا ہی یہ غافلون کو ہی ناز — ذرا رگون مین لہو کا بھی دیکھ لین انداز
رہیگا جان کے ہمراہ دل کا سوز وگداز — چتا سے آئے گی مرنے کے بعد یہ آواز

طلب فضول ہی کانٹے کی پھول کے بدلے
نہ لین بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

یہی دعا ہے وطن کے شکستہ حالوں کی
یہی امنگ جوانی کے نونہالوں کی

جو رہنما ہے محبت پہ مٹنے والوں کی
ہمیں قسم ہے اُسی کے سپید بالوں کی

طلب فضول ہے کانٹے کی پھول کے بدلے
نہ لیں بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

یہی پیام ہے کوئل کا باغ کے اندر
اسی ہوا میں ہے گنگا کا زور آٹھ پہر

ہلال عید نے دی ہے یہی دلوں کو خبر
پکارتا ہے ہمالہ سے ابر اٹھ اٹھ کر

طلب فضول ہے کانٹے کی پھول کے بدلے
نہ لیں بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

بسے ہوئے ہیں محبت سے جنکی قوم کے گھر
وطن کا پاس ہے اُن کو سہاگ سے بڑھکر

جو شیر خوار ہیں ہندوستان کے لخت جگر
یہ اُن کے دودھ سے لکھا ہے اُن کے سینے پر

طلب فضول ہے کانٹے کی پھول کے بدلے
نہ لیں بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

آوازۂ قوم

سنہ ۱۹۱۶ء
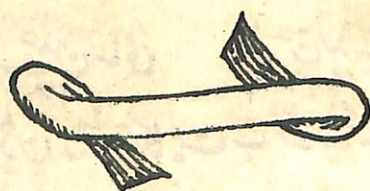
خاک ہند سے پیدا ہین جوش کے آثار
ہمالیہ سے اُٹھے جیسے ابر دریا بار
لہو رگون مین دکھاتا ہے برق کی رفتار
ہوئی ہین خاک کے پردہ مین ہڈیان بیدار

زمین سے عرش تلک شور ہوم رول کا ہے
شباب قوم کا ہی زور ہوم رول کا ہے

نگاہ شوق ہی اس رنگ کی تماشائی
ہے جس سے شیخ و برہمن پہ بیخودی چھائی
ہر ایک گام پہ کرتے ہوے جبین سائی
چلے ہین بہر زیارت وفا کے سودائی

وطن کے عشق کا بت بے نقاب نکلا ہی
نئے اُفق پہ نیا آفتاب نکلا ہے

یہ آرزو ہے کہ مہر و وفا سے کام رہے
وطن کے باغ میں اپنا ہی انتظام رہے
گلوں کی فکر میں گلچین صبح و شام رہے
نہ کوئی مرغ خوش الحان اسیر دام رہے

سر پہ شاہ کا اقبال ہو بہار چمن
رہے چمن کا محافظ یہ تاجدار چمن

ہے آج کل کی ہوا میں وفا کی بربادی
سُنے جو کوئی تو سارا چمن ہے فریادی
قفس میں بند ہیں جو آشیاں کے تھے عادی
اُڑا ہے باغ سے بو ہو کے رنگ آزادی

ہوائے شوق میں غنچے بکس نہیں سکتے
ہمارے پھول بھی چاہیں تو ہنس نہیں سکتے

جو آج کل ہے محبت وطن کی عالمگیر
یہی گنہ ہے یہی جرم ہے یہی تقصیر
زبان ہے بند قلم کو پنہائی ہے زنجیر
بیانِ درد کی باقی نہیں کوئی تدبیر

ہے دل میں درد مگر طاقتِ کلام نہیں
لگے ہیں زخم تڑپنے کا انتظام نہیں

جو اپنے حال پہ یہ بیکسی برستی ہے
یہ نائبان حکومت کی خود پرستی ہے
یہاں سے دور جو برطانیہ کی بستی ہے
وہاں سُنا ہے محبت کی جنس سستی ہے

جو اُس پہ حال وطن آشکار ہو جائے
یہ دیکھتے رہیں بیڑا یہ پار ہو جائے

فدائیان حکومت نے ہم کو رنج دیے
مگر جو فرض وفا تھے ادا وہ ہمنے کیے
نثار جان سے ہوے داب سلطنت کے لیے
شراب عیش سمجھکر لہو کے گھونٹ پیے

ڈگے نہ پانؤن محبت کے نوک خنجر پر
لہو کی مُہر ہے اپنی وفا کے محضر پر

جو اپنے دل سے ہی برطانیہ کا دل راضی
تو کیا کرینگے یہ ہندوستان کے قاضی
نہ کام آئیگی غیرون کی حرف اندازی
تمہین پکار رہی ہے سخی کی فیاضی

بچی کھچی پہ قناعت ہے یون نہین پیتے
پلانے والا پلاتا ہے کیون نہین پیتے

رہا ہر رات کی صحبت مین کیا مزا باقی
نگاہ شوق کو ہے دور نو کی مشتاقی
نئی شراب نیا دور اور نیا ساقی
مٹے سرور مین دیر و حرم کی ناچاقی

یہی کسی کا حرم ہو کسی کا دیر رہے
یہ میکدہ رہے آباد خم کی خیر رہے

شراب شوق دوا ہے اس انجمن کے لیے
سرور اسکا ہے اکسیر روح و تن کے لیے
کھنچی ہے خلد مین اس محفل کہن کے لیے
فلک سے اُتری ہے یہ شیخ و برہمن کے لیے

رہیگا دور زمانہ مین یادگار اس کا
یہ موسم دل کا سودا خمار رہے اس کا

اسی کے مست کہین ہین حرم پہ چھائے ہوئے　　اذان کے نعرۂ دلکش سے خط اٹھائے ہوے
کہین ہی نغمۂ ناقوس دل لبھائے ہوئے　　اسی فضا مین یہ سب آگ ہین سمائے ہوے

یہ حکم پیر مغان کا ہے نشۂ مے مین
یہ آگ آ کے ملین ہوم رول کی لے مین

رقیب کہتے ہین رنگ وطن نہین یکسان　　بنا ہی قوس قزح خاک ہند کا دامان
جدھر نگاہ اٹھے اسطرف نیا ہی سمان　　نہ ایک رنگ طبیعت نہ ایک رنگ زبان

جو ہوم رول پہ یہ چشم شوق شیدا ہو
تمام رنگ ملین ایک نور پیدا ہو

جو دل سے قوم کے نکلی ہی وہ دعا ہی یہی　　تھا جسکی ناز مسیحا کو وہ صدا ہی یہی
دلون کو مست جو کرتی ہی وہ ہوا ہی یہی　　غریب ہند کے آزار کی دوا ہی یہی

نہ چین آئیگا بے ہوم رول پائے ہوے
فقیر قوم کے بیٹھے ہین لو لگائے ہوے

یہ جوش پاک زمانہ دبا نہین سکتا　　رگون مین خون کی حرارت مٹا نہین سکتا
یہ آگ وہ ہی جو پانی بجھا نہین سکتا　　دلون مین آ کے یہ ارمان جا نہین سکتا

طلب فضول ہی کانٹے کی پھول کے بدلے
نہ لین بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

مسز بسنٹ کی خدمت مین قوم کا پیام وفا

سنہ ۱۹۱۷ء

قوم غافل نہین ما تا تری غمخواری سے — زلزلہ ملک مین ہے تیری گرفتاری سے
آگ بھڑکی ہی تری آہ کی چنگاری سے — خاک حاصل نہ ہوا تیری دل آزاری سے

دل ترا قوم کے دامن مین دبے جاتے ہین
ہڈیون کو تری زندان مین لیے جاتے ہین

لہلہاتا ہی محبت کا تری دل مین چمن — مان کے دامن سے بھی بڑھکر ہمین تیرا دامن
تیری تصویر سے ہین قوم کی آنکھین روشن — تیرے بالون کی سپیدی ہی کہ ہے صبح وطن

دل پہ درد کی تصویر ہے صورت تیری
تاج کانٹون کا ہی پہنے ہوے مورت تیری

داستان ہند کی دنیا کو سُنائی تو نے — مذہبی بیر کی بنیاد مٹائی تو نے
آگ بھڑکی ہوئی صدیون کی بجھائی تو نے — راہ انصاف کی اندھون کو دکھائی تو نے

کس نے گرتی ہوئی قومون کو سنبھالا ہوتا
تو نہ ہوتی تو نہ دنیا مین اُجالا ہوتا

ع یہ نظم مسز بسنٹ کی نظربندی کے زمانہ مین لکھی گئی ہے۔

ہند بیدار ہوا یون تری بیداری سے
جیسے برسون کا مریض اُٹھتا ہو بیماری سے

قوم آزاد ہوئی تیری گرفتاری سے
چاندنی پھیل گئی حسن وفاداری سے

تو نظر بند ہو جلوہ ہے ترا ہر گھر مین
شمع فانوس مین ہو نور ہو محفل بھر مین

پھول پتے ہین ترے رنگ وفا سے آباد
دردمندون کی طرح کرتے ہین پتھر فریاد

بیوفاؤن کی ہوئی جاتی ہو کوشش برباد
تو گرفتار سہی ہو تری شکتی آزاد

راحت جسم کا در بند رہے یا نہ رہے
ڈھیر مٹی کا نظر بند رہے یا نہ رہے

تو نے پودھا جو لگایا تھا وہ پھل لایا ہو
آبرو قوم نے پائی ہو وہ دن آیا ہے

ہم نے بھولے ہوے ورثہ کا نشان پایا ہو
مرنے والون کی وفا کا یہی سرمایا ہو

دل تڑپتا ہو کہ سوار آج کا پیغام ملے
کل ملے آج ملے صبح ملے شام ملے

حکم حاکم کا ہو فریاد زبانی رُک جائے
دل کی بہتی ہوئی گنگا کی روانی رُک جائے

قوم کہتی ہو ہوا بند ہو پانی رُک جائے
پر یہ ممکن نہین اب جوش جوانی رُک جائے

ہون خبردار جنھون نے یہ اذیت دی ہے
کچھ تماشا نہین قوم نے کروٹ لی ہے

ہو چکی قوم کے ماتم مین بہت سینہ زنی — اب ہو اس رنگ کا سنیاس یہ ہے دل مین ٹھنی
مادر ہند کی تصویر ہو سینے پہ بنی — بیڑیان پیر مین ہون اور گلے مین کفنی

ہو یہ صورت سے عیان عاشق آزادی ہین
قفل ہے جن کی زبان پر یہ وہ فریادی ہین

آج سے شوق وفا کا یہی جوہر ہوگا — فرش کانٹون کا ہمین پھولون کا بستر ہوگا
پھول ہو جائیگا چھاتی پہ جو پتھر ہوگا — قید خانہ جسے کہتے ہین وہی گھر ہوگا

سنتری دیکھ کے اس جوش کو شرمائینگے
گیت زنجیر کی جھنکار پہ ہم گائین گے

جنکا دامان وفا قوم کا گہوارا ہے — ان کو عصمت کیطرح پاس وطن پیارا ہے
ان کی فریاد سے زخمی دل صد پارا ہے — چشم معصوم کا آنسو نہین انگارا ہے

ست جسے کہتے ہین وہ آگ ہے دم سازن کی
پردۂ غیب کی آواز ہے آوازان کی

جسمین سودائے محبت تھا وہ سر باقی ہے — رات اندھیری ہے مگر یاد سحر باقی ہے
دل کے ہر زخم مین فریاد کا در باقی ہے — قوم بیدار کے سینے مین جگر باقی ہے

دل وہ لیتے نہین زندان مین گرفتارونکے
بیڑیان ڈھونڈھتے ہین پانون وفادارونکے

جوش سودائے محبت مین پڑے گر افتاد — دل سرمست کہے خانۂ احسان آباد

بے زبان کرتے ہین شاعر کی زبان سے فریاد — یہ زبان وہ ہے جو زندان مین رہیگی آزاد

پاک ہے جوش سخن خوف کی تدبیرون سے

ولولے روح کے آزاد ہین زنجیرون سے

فریاد قوم

سنہ ۱۹۱۴ع

ہے آج اور ہی کچھ صورت بیان میری — تڑپ رہی ہے دہن مین مرے زبان میری

چھدینگے قلب و جگر تیر ہے فغان میری — لہو کے رنگ مین ڈوبی ہے داستان میری

مبالغہ نہین تمہید شاعرانہ نہین

غریب قوم کا ہے مرثیہ فسانہ نہین

ع ۵ یہ نظم اس زمانہ مین تصنیف کی گئی ہے جب کہ دور افتادگان وطن جنوبی افریقہ مین ٹرنسوال کے حکام کی غیر منصفانہ کارروائیون سے عاجز تھے اور مہاتما کرم چند گاندھی ان غریب الوطنون کی حالت درست کرنے کی کوشش مین دل و جان سے مصروف تھے۔ یہ نظم ایک رسالہ کی صورت مین شایع کی گئی تھی؛ اور مہاتما گاندھی کا نام بہ صورت ذیل زیب عنوان کیا گیا تھا۔

بخدمت فدائے قوم مسٹر کرم چند گاندھی

نثار ہے دل شاعر ترے قرینے پر

کیا ہے نام ترا نقش اِس نگینے پر — چکبست لکھنوی

وطن سے دور تباہی مین ہی وطن کا جہاز
ہوا ہی ظلم کے پردے مین حشر کا آغاز
سُنین تو ملک کے ہمدرد قوم کے دمساز
ہوا کے ساتھ یہ آتی ہی دُکھ بھری آواز

وطن سے دور ہین ہم پر نگاہ کر لینا
"اِدھر بھی آگ لگی ہے ذرا خبر لینا"

جو مٹ رہے ہین وطن پر یہ ہی صدا اُنکی
لہو پکار رہا ہے یہ ہے وفا اُنکی
بندھی ہی عالم تہذیب مین ہوا اُنکی
غضب کی جا ہی جو گردن جھکی ذرا اُنکی

تمھارے دل مین نہ الفت کی ہوک اُٹھے افسوس
وطن کا قافلہ پردیس مین لُٹے افسوس

ٹرنسوال کے حاکم وفا شعار نہین
کچھ ان کے قول کا دنیا مین اعتبار نہین
ہماری قوم پہ احسان کا انکے بار نہین
یہ ظلم کیون ہی ہم اُن کے گناہگار نہین

اگرچہ دولتِ برطانیہ کے پیارے ہین
تو اہل ہند اُسی آسمان کے تارے ہین

اگر جفا سے نہین ظالمون کو مطلق عار
اُجاڑتے ہین وہ بستی جو تھی کبھی گلزار
جہان خوشی کے ترانون کا گرم تھا بازار
سُنائی دیتی ہی وہان بیڑیون کی اب جھنکار

کیا ہی بند مسافر سمجھ کے راہون کو
پنہائی جاتی ہے زنجیر بے گناہون کو

لُٹے ہین یون کہ کسیکی گرہ مین دام نہین　　نصیب رات کو پڑ رہنے کا مقام نہین
یتیم بچّون کے کھانے کا انتظام نہین　　جو صبح خیر سے گذری امید شام نہین

اگر جیئے بھی تو کپڑا نہین بدن کے لیے
مرے تو لاش پڑی رہگئی کفن کے لیے

نصیب چین نہین بھوک پیاس کے مارے　　ہین کس عذاب مین ہندوستان کے پیارے
تمہین تو عیش کے سامان جمع ہین سارے　　وہان ہین بن سے وان ہین لہو کے فوّارے

جو چپ رہین تو ہوا قوم کی بگڑتی ہے
جو سر اُٹھائین تو کوڑون کی مار پڑتی ہے

وطن سے دور بھی ہین اور خانہ ویران بھی　　اسیر یاس بھی ہین اور اسیر زندان بھی
تباہ حال ہین ہندو بھی اور مسلمان بھی　　ہوے ہین نذر مصیبت کے دین و ایمان بھی

پڑھی نماز تو اجڑے گھرون کے صحرا مین
اگر نہائے تو اپنے لہو کی گنگا مین

اگر دلون مین نہین اب بھی جوش غیرت کا　　تو پڑھ دو فاتحہ قومی وقار و عزّت کا
وفا کو پھونک دو ماتم کرو محبّت کا　　جنازہ لیکے چلو قوم و دین و ملت کا

نشان مٹا دو اُمنگون کا اور ارادون کا
لہو مین غرق سفینہ کرو مرادون کا

کہان ہین ملک کے سرتاج قوم کے سردار
پکارتے ہین مدد کے لیے درو دیوار
وطن کی خاک سے پیدا ہین جوش کے آثار
زمین ہلتی ہی اُڑتا ہی خون بن کے غبار

جگہ سے اپنی ہے چتّور کی زمین سرکی
لرز رہی ہے کئی دن سے قبر اکبر کی

بھنور مین قوم کا بیڑا ہی ہندو ہشیار
اندھیری رات ہے کالی گھٹا ہی اور منجدھار
اگر پڑے رہے غفلت کی نیند مین سرشار
تو زیر موج فنا ہو گا آبرو کا مزار

مٹے گی قوم یہ بیڑا تمام ڈوبے گا
جہان مین بھیشم و ارجن کا نام ڈوبے گا

جنھین رُلائے نہ اب بھی یہ قوم کی اُفتاد
سیاہ قلب وہ ہندو ہین کنس کی اولاد
مگر وہ کیا ہین کسی کی بھی گر نہ ہو امداد
اثر دکھائے گی جادو کا قوم کی فریاد

اُٹھینگے خاک کے تودون سے سنگ پر اپنے
زمین ہند کی اُگلے گی سورما اپنے

دکھا دو جوہر اسلام اے مسلمانو
وقارِ قوم گیا قوم کے نگہبانو
ستون ملک کے ہو قدر قومیت جانو
جفا وطن پہ ہے فرض وفا کو پہچانو

نبی کے خلق و مروّت کے ورثہ دار ہو تم
عرب کی شان حمیت کے یادگار ہو تم

کرو خیال کچھ اسلاف کی حمیت کا　　دیا تھا دشمن قاتل کو جام شربت کا
معاملہ ہے یہان بھائیونکی عزت کا　　یہ فرض عین ہے سودا نہین مروت کا

اگر نہ اب بھی ہوا اسلام کا جگر پانی
ہزار خندہ کفر است بر مسلمانی

اگر نہ قوم کے اِسوقت بھی تم آئے کام　　نصیب ہو گا نہ مرنے پہ بھی تمہین آرام
یہی کہے گا زمانہ کہ تھا برائے نام　　وہ دھرم ہندؤن کا وہ حمیت اسلام

ذرا اثر نہ ہوا قوم کے حبیبون پر
وطن سے دور چھری چلگئی غریبون پر

رہے گا مال نہ ہمراہ جائے گی دولت　　گئی تو قبر تلک ساتھ جائے گی ذلت
کرو جو ایک روپے سے بھی قوم کی خدمت　　تمھاری ذات سے ہو اک یتیم کو راحت

ملے حجاب کی چادر کسی کی عصمت کو
کفن نصیب ہو شاید کسی کی میت کو

جو دب کے بیٹھ رہے سر اٹھاؤ گے پھر کیا　　عدوے قوم کو نیچا دکھاؤ گے پھر کیا
جفاؤ جور کی ذلت مٹاؤ گے پھر کیا　　تم اپنے بچون کو قصے سناؤ گے پھر کیا

رہیگا قول یہی اُن سے اُن کی ماؤن کا
لہو رگون مین تمھاری ہے بیحیاؤن کا

مٹا جو نام تو دولت کی جستجو کیا ہے
نثار ہو نہ وطن پر تو آبرو کیا ہے

لگا دے آگ نہ دل مین تو آرزو کیا ہے
نہ جوش کھائے جو غیرت سے وہ لہو کیا ہے

فدا وطن پہ جو ہو آدمی دلیر ہے وہ
جو یہ نہین تو فقط ہڈیون کا ڈھیر ہے وہ

قوم کے سورماؤن کی الوداع

سنہ ۱۹۱۴ء

ساحلِ ہند سے جرّار وطن جاتے ہین
کچھ نئی شان سے جانباز کہن جاتے ہین

رن مین باندھے ہوئے شمشیر و کفن جاتے ہین
تیغ زن برق فگن قلعہ شکن جاتے ہین

سامنے ان کے ظفر برہنہ پا چلتی ہے
ان کی تلوار کے سایہ مین قضا چلتی ہے

ان کی رگ رگ مین ہین پیوستہ شجاعت کے چلن
رن کا میدان ہے انکے لیے مان کا دامن

عرصۂ جنگ کی موت انکو ہے اک شب کی دلھن
مر کے تلوار سے حاصل ہو تو خلعت ہے کفن

جوش ان مین جو ہے اُس جوش کا اب دور نہین
ساٹھ پلٹنون کے سپاہی ہین کوئی اور نہین

عہ یہ نظم اُس زمانے مین تصنیف کی گئی تھی جبکہ ہندوستانی سپاہیون کی فوج دولت برطانیہ کی جانب سے یورپ کی جنگ عظیم مین حصہ لینے کے لیے روانہ کی گئی تھی =

ہان دلیران وطن دھاگ بٹھا کر آنا | طنطنہ جرمنِ خود بین کا مٹا کر آنا
قیصری تخت کی بنیاد ہلا کر آنا | ندیاں خون کی برلن مین بہا کر آنا

ناؤ تلوار کی ہے پار لگانے کے لیے
یہی گنگا ہے سپاہی کے نہانے کے لیے

جان نثار آج تمہارا سا زمانہ مین نہین | ہان دکھا دو کہ ہو تاج شہ لندن کے نگین
دوست کیا چیز ہین دشمن بھی ہین فدائے تحسین | آسمان وجد کرے لعل اُٹھے سن کی زمین

یون تو لڑنے کو بہت شہ کے نمکخوار لڑے
اور ہی شان سے لیکن یہ وفادار لڑے

جس گھڑی معرکۂ جنگ مین ہو تیغ علم | سورما لڑتے ہین اس طرح پکارے عالم
دل ہو ارجن کا جگر بھیم کا انگد کا قدم | موت کے وقت نظر مین ہو شبیہ بھیشم

جسکا قابو نہ ہٹا موت کی تدبیرون پر
سایۂ تیغ مین آرام کیا تیرون پر

وہ یورش ہو کہ ہو شیرازۂ اعدا برہم | اِک اُمنڈتے ہوے دریا کا ہو پیدا عالم
جو کسی سے نہ جھکا وہ سر مغرور ہو خم | پہلے برلن مین جو پہونچے وہ تمہارا ہو قدم

"واہ گرو" کہکے بڑھو خون کے مخفر کھلجائین
پھر ہری سنگھ کی تلوار کے جوہر کھلجائین

تمکو اعزاز ملا ہے یہ وطن کا اعزاز
دیکھنا اب ہی شجاعت کا تمھاری انداز
خاک یورپ پہ پڑے لیری سے ہو اپنی ممتاز
تیغ ہندی کی حالت پہ زمانہ کو ہو ناز

قوم کا اوج بڑھے نام وطن زندہ ہو
روح پرتاب کی جنت مین نہ شرمندہ ہو

یا ظفر یاب تمھین دیکھ کے دل ہو بشاش
آئے یا سوئے وطن خون مین ڈوبی ہوئی لاش
سر جدا تن سے ہو یا ہو تن بسمل صد پاش
گوشئہ امن وہان مان کی نہو آنکھون کو تلاش

موت معراج ہی اس دشت کے راہی کیلیے
آنچ تلوار کی جنت ہے سپاہی کیلیے

گو کہ دنیا سے مٹے شوکت قیصر کا سراغ
شعلئہ تیغ سے مرجھائے نہ تہذیب کا باغ
گل نہ ہو دل کے شوالے مین حمیت کا چراغ
بیگناہون کے لہو کا نہ ہو تلوار مین داغ

راستہ ہے یہی قومون کی تباہی کے لیے
خون معصوم کا دوزخ ہی سپاہی کے لیے

مادر قوم کا ہی اپنے سپوتون سے پیام
خطئہ ہند کا اس جنگ مین روشن ہے نام
تیغ خونریز نے جس شان سے چھوڑا ہی نیام
اپنے مسکن مین اسی شان سے پائے آرام

شاعر گوشہ نشین شکر خدا کرتا ہے
جنگ ہو تم کو مبارک یہ دعا کرتا ہے

ہم ہونگے عیش ہوگا اور ہوم رول ہوگا ع

سنہ ۱۹۱۶ء

اہل وطن مبارک تم کو یہ بزمِ اعلیٰ — جس مین نئی امیدون کا ہے نیا اُجالا
دنیا کے مذہبون سے یہ رنگ ہے نرالا — مسجد یہی ہو اپنی اور ہے یہی شوالا

ہو ہوم رول حاصل ارمان ہو تو یہ ہے
اب دین ہے تو یہ ہے ایمان ہو تو یہ ہے

شیدائے بوستان کو سرو سمن مبارک — رنگین طبیعتون کو رنگِ سخن مبارک
بلبل کو گل مبارک گل کو چمن مبارک — ہم بیکسون کو اپنا پیارا وطن مبارک

غنچے ہمارے دِل کے اس باغ مین کھلین گے
اِس خاک سے اُٹھے ہین اس خاک مین ملین گے

اِس خاک دل نشین پر بادل سا چھا رہا ہی — طوفان بیکسی کا ہم کو ستا رہا ہی
لیکن یہ دور حسرت دنیا سے جا رہا ہی — مایوس ہو نہ جانا وہ دن بھی آ رہا ہی

برطانیہ کا سایہ سر پر قبول ہوگا
ہم ہونگے عیش ہوگا اور ہوم رول ہوگا

ع یہ نظم لکھنؤ مین دسمبر سنہ ۱۹۱۶ء کی کانگرس کے اجلاس مین گائی گئی تھی —

ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

(چھوٹے بچون کے لیے)

۱۹۱۶ء

یہ ہندوستان ہے ہمارا وطن　　محبت کی آنکھون کا تارا وطن

ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

وہ اس کے درختون کی تیاریان　　وہ پھل پھول پودھے وہ پھلواریان

ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

ہوا مین درختون کا وہ جھومنا　　وہ پتّون کا پھولون کا مُنھ چومنا

ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

وہ ساون مین کالی گھٹا کی بہار　　وہ برسات کی ہلکی ہلکی پھوہار

ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

وہ باغون مین کوئل وہ جنگل کے مور　　وہ گنگا کی لہرین وہ جمنا کا زور

ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

اِسی سے ہے اس زندگی کی بہار　　وطن کی محبت ہو یا مان کا پیار

ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

وطن کو ہم وطن ہم کو مبارک

(بچون کے لیے)

سنہ ۱۹۱۶ع

یہ پیاری انجمن ہم کو مبارک　　یہ الفت کا چمن ہم کو مبارک
وطن کو ہم وطن ہم کو مبارک

یہان کی خاک ہم کو کیمیا ہے　　یہ سونے سے بھی قیمت مین سوا ہے
وطن کو ہم وطن ہم کو مبارک

جو چڑیان صبح کو گاتی ہین اکثر　　اسی کا راگ ہے اِن کی زبان پر
وطن کو ہم وطن ہم کو مبارک

وہ ساون کے مہینے کی گھٹائین　　وہ کوئل اور پپیہے کی صدائین
وطن کو ہم وطن ہم کو مبارک

وہ ایک مستی کا عالم بادلون مین　　وہ پھولون کا مہکنا جنگلون مین
وطن کو ہم وطن ہم کو مبارک

وہ چشمے اور وہ امرت سا پانی   وہ گنگا اور جمنا کی روانی

وطن کو ہم وطن ہم کو مبارک

درختوں پر وہ چڑیوں کا چہکنا   وہ بیلے اور چنبیلی کا مہکنا

وطن کو ہم وطن ہم کو مبارک

اِسی کی خاک سے لیتے ہیں محصول   یہی دیتا ہے غلّہ اور پھل پھول

وطن کو ہم وطن ہم کو مبارک

وطن کا جن بزرگوں سے ہوا نام   اِسی مٹّی میں وہ کرتے ہیں آرام

وطن کو ہم وطن ہم کو مبارک

حصۂ دوم

پھول مالا

(قوم کی لڑکیون سے خطاب)

سنہ ۱۹۱۷ع

روشِ خام پہ مردون کی نہ جانا ہرگز
داغ تعلیم مین اپنی نہ لگانا ہرگز

نام رکھا ہی نمایش کا ترقی و رفارم
تم اِس انداز کے دھوکے مین نہ آنا ہرگز

رنگ ہے جن مین مگر بوی وفا کچھ بھی نہین
ایسے پھولون سے نہ گھر اپنا سجانا ہرگز

نقل یورپ کی مناسب ہے مگر یاد رہے
خاک مین غیرتِ قومی نہ ملانا ہرگز

خود جو کرتے ہین نئے مانہ کی روش کو بدنام
ساتھ دیتا نہین ایسون کا زمانا ہرگز

خود پرستی کو لقب دیتے ہین آزادی کا
ایسے اخلاق پہ ایمان نہ لانا ہرگز

رنگ و روغن تمھین یورپ کا مبارک لیکن
قوم کا نقش نہ چہرے سے مٹانا ہرگز

جو بناتے ہین نمایش کا کھلونا تم کو
اُن کی خاطر سے یہ ذلت نہ اُٹھانا ہرگز

رُخ سے پردہ کو اُٹھایا تو بہت خوب کیا
پردۂ شرم کو دل سے نہ اُٹھانا ہرگز

تم کو قدرت نے جو بخشا ہی حیا کا زیور
مول اِس کا نہین قارون کا خزانا ہرگز

دِل تمھارا ہی وفاؤن کی پرستش کیلیے
اس محبت کے شوالہ کو نہ ڈھانا ہرگز

پوجنے کے لیے مندر جو ہی آزادی کا | اِس کو تفریح کا مرکز نہ بنانا ہرگز

نقد اخلاق کا ہم نل کی طرح ہار چکے | تم ہو دمینت یہ دولت نہ لٹانا ہرگز

خاک مین دفن ہین مذہب کے پُرانے پاکھنڈ | تم یہ سوتے ہوے فتنے نہ جگانا ہرگز

اپنے بچّون کی خبر قوم کے مردون کو نہین | یہ ہین معصوم انہین بھول نہ جانا ہرگز

اِن کی تعلیم کا مکتب ہی تمھارا زانو | پاس مردون کے نہین اِن کا ٹھکانا ہرگز

کاغذی پھول ولایت کے دکھا کر ان کو | دیس کے باغ سے نفرت نہ دلانا ہرگز

نغمۂ قوم کی لے جس مین سما ہی نہ سکے | راگ ایسا کوئی ان کو نہ سکھانا ہرگز

پرورش قوم کی دامن مین تمھارے ہوگی | یاد اس فرض کی دل سے نہ بھلانا ہرگز

گو بزرگون مین تمھارے نہو اِس وقت کا رنگ | ان ضعیفون کو نہ ہنس ہنس کے رُلانا ہرگز

ہوگا پرلے[۱] جو گرا آنکھ سے اِن کی آنسو | بچپنے سے نہ یہ طوفان اُٹھانا ہرگز

ہم تمھین بھول گئے اس کی سزا پاتے ہین | تم ذرا اپنے تئین بھول نہ جانا ہرگز

کِس کے دل مین ہی وفا کِس کی زبان مین تاثیر
نہ سُنا ہے نہ سُنوگی یہ فسانا ہرگز

---

[۱] قیامت۔

برق اصلاح

سنہ ۱۹۱۷ء

مرحبا جرات اصلاح دلانے والو
قوم کے بار امانت کے اُٹھانے والو

دل کی اُجڑی ہوئی نگری کے بسانے والو
مادرِ ہند کی بگڑی کے بنانے والو

کیسے طوفان مین دیا ہی یہ سہارا تم نے
خوب ڈوبی ہوئی کشتی کو اُبھارا تم نے

کل جسے عین لطافت مین خزان نے لوٹا
آج اُس باغ کا شاداب ہے بوٹا بوٹا

بیڑیان کٹ کے گرین قفل اسیری ٹوٹا
چاند معصوم کی قسمت کا گہن سے چھوٹا

تم بھی خود شاد ہوئے قوم کو بھی شاد کیا
دل کے ویران شوالے کو پھر آباد کیا

قوم مین گلشنِ اصلاح پڑا تھا ویران
طائر باغ تھے بے بال و پری سے نالان

ہوگیا اور ہی قدر ہون سے تمھارے سامان
ایسے دلسوز چمن بند میسر ہین کہان

قوم دیتی ہے دعا نام تمھارا سنکر
راستہ صاف کیا باغ سے کانٹے چُنکر

ع کشمیری پنڈتون کے فرقہ مین پہلی مرتبہ ایک بیوہ لڑکی کی شادی آگرہ مین ہوئی تھی - اس اصلاح قومی کے خیر مقدم مین یہ نظم تصنیف کی گئی تھی -

مل گئے خاک مین کتنے ہی غریبون کے شباب
اُف گناہون کا ہی اس قوم کی گردن پہ عذاب
جو پرانی روشون کے لیے رہتے ہین خراب
ان کی صورت سے اب آتا ہی زمانہ کو حجاب

شانِ اخلاق نہین جبر کی تدبیرون مین
بے گناہون کو جکڑتے نہین زنجیرون مین

بے گنہ ظلم سے ہو جاتے ہین اکثر معذور
مگر انصاف کا دربار بھی ہوتا ہی ضرور
قوم کے جبر کا لیکن ہے نرالا دستور
یہ ہو پابند جہالت تو ہے دنیا مجبور

دل تو کیا روح بھی اس قید سے آزاد نہین
یہ ہی وہ ظلم جس کی کہین فریاد نہین

آج اس ظلم کی بنیاد ہلی جاتی ہے
خاک مین حجت دیرینہ ملی جاتی ہے
رحم کا آج ہی اب سنگدلی جاتی ہے
یان کلی دل کی محبت سے کھلی جاتی ہے

مرد تو مون کو سبق یون ہی سکھا دیتے ہین
دل ہین جو ٹھانتے ہین کرکے دکھا دیتے ہین

نوجوانون پہ ہی کیا جوش کا عالم طاری
معرکہ سر ہو یہ ہے چار طرف تیاری
طنطنہ دل مین ہی لب پہ سخن ہی جاری
نام کشمیر کا ڈوبے گا جو ہمت ہاری

آکے میدان ترقی مین پلٹنے کے نہین
یہ قدم وہ ہین جو بڑھ جائین تو ہٹنے کے نہین

ہی ادھر جوش پہ آزاد خیالی کی ترنگ — سر مین سودا ہے دلون مین ہی جوانی کی امنگ
اس طرف بزم حریفان کا ہی اکھڑا ہوا رنگ — ڈھونڈھتے پھرتے ہین نفیرین کے لیے ہم آہنگ

کوئی باقی نہین اب اُنکے طرفدارون مین
مل گئی ٹوٹ کے توبہ بھی گنہگارون مین

آئین پیران طریقت یہ تماشا دیکھین — ہان نئے دور کا اُٹھتا ہوا پردا دیکھین
جوش اصلاح کا بہتا ہوا دریا دیکھین — پار ہوتے ہوے مظلوم کا بیڑا دیکھین

دیکھ لین دھرم کی اس قوم مین خو باقی ہو
ان رگون مین ابھی رشیون کا لہو باقی ہو

ضعف اخلاق سے تھے قوم کے اعضا بیکار — دل کی رحمت طلبی سے تھین امنگین لاچار
بعد مدت ہوے غیرت کے نمایان آثار — نوک نشتر سے ہوا خون رگون مین بیدار

یون ہی اصلاح کی تاثیر عیان ہوتی ہو
قوم پیری مین اسی طرح جوان ہوتی ہو

حالت زخم سے جب حالت ناسور ہوئی — فکر مرہم دل پُر درد کو منظور ہوئی
جور مذہب کی بلا قوم سے کافور ہوئی — شکر ہو گلے کی گردن سے چھری دور ہوئی

غم نہین دل کو یہان دین کی بربادی کا
بُت سلامت رہے انسان کی آزادی کا

دردِ دل

(تمہید)

سنہ ۱۹۱۴ع

درد ہی دل کے لیے اور دل انسان کے لیے — تازگی برگ و ثمر کی چمنستان کے لیے
ساز آہنگ جنون تار رگ جان کے لیے — بیخودی شوق کی مجھ بے سر و سامان کے لیے

کیا کہون کون ہوا سر مین بھری رہتی ہی
بے پیے آٹھ پہر بے خبری رہتی ہی

نہ ہون شاعر نہ ولی ہون نہ ہون اعجاز بیان — بزم قدرت مین ہون تصویر کی صورت حیران
دل مین اک رنگ ہے لفظون سے جو ہوتا ہے عیان — لے کی محتاج نہین ہی مری فریاد و فغان

شوقِ شہرت ہوسِ گرمیِ بازار نہین
دل وہ یوسف ہی جسے فکر خریدار نہین

اور ہونگے جنھین رہتا ہی مقدر سے گلا — اور ہونگے جنھین ملتا نہین محنت کا صلا
مین نے جو غیب کی سرکار سے مانگا وہ ملا — جو عقیدہ تھا مرے دل کا ہلائے نہ ہلا

کیون ڈراتے ہین عبث گبر و مسلمان مجھ کو
کیا مٹائے گی بھلا گردشِ دوران مجھ کو

ع یہ نظم لکھنؤ کی انجمن نوجوانانِ کشمیر کے آٹھوین سالانہ جلسہ مین پڑھی گئی تھی۔ اس انجمن کی ترقی مین مصنف کو خاص دلچسپی تھی

کیا زمانہ پہ کھلے بے خبری کا میری راز　　طائرِ فکر مین پیدا تو ہوا تنی پرواز
کیون طبیعت کو نہ ہو بیخودیٔ شوق پہ ناز　　حضرتِ ابر[1] کے قدمون پہ ہے یہ فرقِ نیاز

فخر ہے مجھ کو اسی در سے شرف پانے کا
مین شرابی ہون اسی رند کے میخانے کا

دل مرا دولتِ دنیا کا طلبگار نہین　　بخدا خاک نشینی سے مجھے عار نہین
مست ہون حبِ وطن سے کوئی میخوار نہین　　مجھ کو مغرب کی نمائش سے سروکار نہین

اپنے ہی دل کا پیالہ پیے مدہوش ہون مین
جھوٹی پیتا نہین مغرب کی وہ مے نوش ہون مین

قوم کے درد سے ہون سوز وفا کی تصویر　　میری رگ رگ سے ہے پیدا تپِ غم کی تاثیر
ہے مگر آج نظر مین وہ بہارِ دلگیر　　کر لیا دل کو فرشتون نے طرب کے تسخیر

یہ نسیمِ سحری آج خبر لائی ہے
سال گذرا ہے گلشن مین بہار آئی ہے

(ترقی انجمن)

قوم مین آٹھ برس سے ہے یہ گلشن شاداب　　چہرۂ گل پہ یہان پاسِ ادب کی ہے نقاب
میرے آئینۂ دل مین ہے فقط اِس کا جواب　　اس کے کانٹون پہ کیا مین نے نثار اپنا شباب

---

[1] پنڈت انجن نرائن در تخلص بہ ابر۔

کام شبنم کا لیا دیدۂ تر سے اپنے
مین نے سینچا ہی اسے خونِ جگر سے اپنے

ہر برس رنگ پہ آتا ہی گیا یہ گلزار
پھول تہذیب کے کھلتے گئے مٹتے گئے خار
پتّی پتّی سے ہوا رنگ وفا کا اظہار
نوجوانانِ چمن بن گئے تصویر بہار

رنگِ گل دیکھ کے دل قوم کا دیوانہ ہوا
جو تھا بدخواہ چمن سبزۂ بیگانہ ہوا

لچّے نخوت سے نہین اِن کے گلون کو سرکار
ہی بزرگون کا ادب اِن کی جوانی کا سنگار
علم و ایمان کی طراوت کا دلون مین ہے گذار
دھو گئے چشمۂ اخلاق سے سینون کے غبار

رنگ کھلاتی ہی یون دل کی صفا یارون مین
روشنی صبح کی جس طرح ہو گلزارون مین

کس کو معلوم تھی اس گلشن اخلاق کی راہ
مین نے پھولون کو کیا رنگ وفا سے آگاہ
اب تو اس باغ پہ ہی سب کی محبت کی نگاہ
جو کہ پودے تھے شجر ہو گئے ماشاء اللہ

کیا کہون رنگ جوانی مین جو اس باغ کے تھے
باغبان ہو گئے گلچین جو مرے باغ کے تھے

گو کہ باقی نہین کیفیت طوفان شباب
پھنس کے جنجال مین دنیا کے یہ قصہ ہوا خواب
مست رہتا ہو مگر اب بھی دلِ خانہ خراب
شام کو بیٹھ کے محفل مین لنڈھاتا ہون شراب

نشۂ علم کی امید پہ سب جینے والے
سمٹ آتے ہین سرِ شام سے پینے والے

اور ہی رنگ پہ ہو آج بہارِ گلشن — سیر کے واسطے آئے ہین عزیزانِ وطن
فرش آنکھین کیے بیٹھے ہین جوانانِ چمن — دل مین طوفان طرب لب پہ محبت کے سخن

کون ہو آج جو اس بزم مین مسرور نہین
روح سرشار بھی کھنچ آئے تو کچھ دور نہین

مگر افسوس یہ دنیا ہو مقامِ عبرت — رنج کی یاد دلاتا ہے خیالِ راحت
آج یاد آتی ہو اُن پھولون کی مجھ کو صورت — کھلتے ہی گر گئے جو میرے چمن سے رحلت

چشمِ بد دور گلون کی یہ بھری ڈالی ہے
چند پھولون کی مگر اس مین جگہ خالی ہے

یہ وہ گل تھے جنھین ارباب نظر نے رویا — بھائی نے بہنون نے مادر نے پدر نے رویا
خاک رونا تھا جو اس دیدۂ تر نے رویا — مدتون اُن کو مرے قلب و جگر نے رویا

دل پہ کچھ داغ محبت ہین نشانی اُن کی
بچپنا دیکھ کے دیکھی نہ جوانی اُن کی

خیر دنیا مین کبھی سوز ہے اور ہو کبھی ساز — نونہالانِ چمن کی رہے اب عمر دراز
بھائی سے بڑھکے مجھے ہین مرے مایۂ ناز — میرے مونس ہین یہی اور یہی میرے ہمراز

نمبر۱ پنڈت رتن ناتھ در سرشار مرحوم

مر کے بھی روح مری دل کی طرح شاد رہے
مین رہون یا نہ رہون یہ چمن^ع آباد رہے

(حالت قوم)

زندگی کا نہین دنیا مین بھروسا اک آن | آج وہ اُٹھ گئے کرتے تھے جو کل کا سامان
عرض حال آج ہی لازم کہ ابھی ہی زبان | آپ کے فیض کا سر ڈھونڈ رہا ہی جہان

آپ ہین ابر کرم پاس چمن لازم ہے
سرپرستی عزیزان وطن لازم ہے

آپ جیسن قوم کے ہین رکن رکین اور افسر | ہین اسی قوم کے یہ طفل و جوان نیک نظر
ان مین پیدا ہوئے گر علم وادب کے جوہر | مادر قوم کی چھاتی سے ہٹے گا پتھر

آپ کو چین نہین ان کی اگر خیر نہین
قوم کے لخت جگر ہین یہ کوئی غیر نہین

گلشن قوم مین ہی پیش نظر رنگ عجیب | فتنہ جاگے ہوئے ہین خواب گران ہی نصیب
دل محبت سے خفا ہین تو مروت کے رقیب | دور ہین دل سے جو آنکھون مین ہین ہر وقت قریب

اب وہ پہلے کی محبت وہ بھلائی ہی کہان
دل کے آئینون مین اگلی سی صفائی ہی کہان

ع انجمن۔

کس کو دُکھ درد کی غیرو کی خبر رہتی ہے ۔ حالتِ اہلِ وفا نوعِ دِگر رہتی ہے

رات دن عیش پرستی پہ نظر رہتی ہے ۔ ہوسِ دولت و زر شام و سحر رہتی ہے

نوجوانوں میں وہ اگلی سی محبت ہے کہاں

جو بزرگوں نے کمائی تھی وہ دولت ہے کہاں

کوئی سودائے محبت کا خریدار نہیں ۔ جوشِ الفت کی ذرا گرمیٔ بازار نہیں

پیٹھ کے پیچھے بُرا کہنے میں کچھ عار نہیں ۔ جو ہی رفتارِ خیالات وہ گفتار نہیں

فرق کیا ظاہر و باطن کا بُرا ہوتا ہے

جو زبان کہتی ہے دل سن کے اُسے روتا ہے

دولتِ علم و ہنر میں ہی نمایاں ہی زوال ۔ ہو رہا ہے چمنستان ذہانت پامال

سر میں سودا وہ نہیں جس سے میسر ہو کمال ۔ پڑھنے لکھنے کا فقط دولتِ دنیا ہی مآل

عمر یوں علم کے سانچے میں ڈھلی جاتی ہے

اِک تجارت ہی کہ دن رات چلی جاتی ہے

کفر ہے جو ہنر ذاتی کے لیے نشو و نما ۔ ذات انسان کی محبت ہے نہ ہی خوفِ خدا

سرِ مغرور سے ہے دور وفا کا سودا ۔ شانِ ظاہر کی تمنا میں ہیں دولت پہ فدا

جان سے شوق نمایش میں گذر جائیں ابھی

قبر چاندی کی جو مِل جائے تو مر جائیں ابھی

حج اکبر سے جو یورپ کے ہوے ہین ممتاز ہر وطن مین بھی غریب الوطنی اُنپر ہین ناز
پیر یاران طریقت سے ہی غیرون سے ہی ساز وہ بنائی ہوئی چتون وہ انیلے انداز

لب و لہجہ مین لگاوٹ ہی طرحدار ی ہے
اک فقط رنگ یہ قابو نہین لاچاری ہے

اُن کو تہذیب یورپ کی نہین کچھ سروکار ظاہری شان نمائش پہ دل و جان ہین نثار
ہین وہ سینے مین کہان غیرت قومی کے شرار جن سے مغرب[عہ] مین ہوے خاک کے پتلے بیدار

سیر یورپ سے یہ اخلاق داد سیکھا ہی
ناچنا سیکھا ہے اور لہو و لعب سیکھا ہی

(نوجوانون سے خطاب)

ہان جوانان وطن خواب سے بیدار ہو اب سو چکے رات بھی آخر ہوئی ہشیار ہو اب
سحر نور وفا کے لیے تیار ہو اب درد دل کچھ مجھے کہنا ہی خبردار ہو اب

بیخودی دل کی ہی تصویر بیان میری ہی
مرثیہ قوم کا ہے اور زبان میری ہی

نکتہ چینی سے غرض ہی نہ دل آزاری ہی صرف منظور نظر خواب سے بیداری ہی
غفلت عیش دلون پر جو یہان طاری ہی بیخودی کہتے ہین اس کو کہ یہ ہشیاری ہی

عہ یورپ -

کیا کیے جاتے ہو کیا منھ سے کہے جاتے ہو

کچھ خبر ہی تمھیں کس سمت بہے جاتے ہو

چمنِ عمر ہمیشہ نہ رہے گا شاداب　　خُم مین باقی نہ رہے گی یہ جوانی کی شراب

نشۂ علم مین ہر وقت رہو تم غرقاب　　شانِ تعلیم یہی ہی یہی تہذیبِ شباب

لے اُڑے دل کو طبیعت کی رَوانی وہ ہی

بے پیے نشہ رہے جس مین جوانی وہ ہی

مست کر دیتی ہی ایسا یہ شراب سر جوش　　نظر آتی ہی مئے حُسن سے دنیا مدہوش

سیر جنت مین ہوا کرتے ہین چشم و لب و گوش　　مجھ سے کہتا تھا جوانی مین مرا بادہ فروش

ہر گھڑی عالمِ بالا پہ نظر رہتی ہے

کہین انسان کو دنیا کی خبر رہتی ہے

نشۂ علم مین تم مین سے نہین کوئی بھی چور　　دخل رہتا ہی طبیعت مین تعلّی کو ضرور

ہو گیا ہی جو ذرا چار کتابون پہ عبور　　تو غضب کی ہمہ دانی ہی قیامت کا غرور

شان ارسطو کی بھی فرعون کا سامان بھی ہی

وہی گھر مصر بھی ہی اور وہی یونان بھی ہی

علم و اخلاق کے دامن پہ تمھارے ہی یہ داغ　　جو بزرگون نے لگایا تھا اُجڑتا ہی وہ باغ

تم کو اللہ نے بخشے ہین وہ دل اور وہ دماغ　　جس سے روشن ہو زمانہ کی ترقی کا چراغ

اِک ذرا جذبۂ اخلاق کو اعلےٰ کردو

قومِ مرحوم کی تربت پہ اُجالا کردو

تم مدد کے نہیں محتاج یہ مین نے مانا | ہو مگر فکر سے بچون کی نہ یون بیگانا
بارِ احسان سے سُبکدوش ہو گر ہو دانا | ایک دن قوم کے آگے نہ پڑے شرمانا

تم کو بچون کا بڑا فرض ادا کرنا ہے

ہے تو ایمان کی یہ قرض ادا کرنا ہے

اِنھین بچون کی محبت ہوئی ہے دامن گیر | آپ کی سمع خراشی کی جو کی یہ تدبیر
اپنے دردِ دلِ ناشاد کی ہے یہ تفسیر | اشکِ حسرت سے کیا ہی اسے دل نے تحریر

چاہے مجذوب کی بڑ چاہے نصیحت سمجھو

یا ہمارے دلِ مُردہ کی وصیت سمجھو

گائے

۱۹۱۲ء

تو وہ مخلوق ہے خلقت میں نہیں جس کی گناہ
لی ہے قالب میں ترے روح محبت نے پناہ

تیری صورت سے عیاں ہوتی ہے انسان کی چاہ
رس بھری آنکھ سموئی ہوئی امرت میں نگاہ

نقش ہے دل پہ مرے موہنی صورت تیری
خوب دنیا کے شوالے میں ہے مورت تیری

تن سے تیرے ہے عیاں نرمی دل کا جوہر
جوڑ بند ایسے کہ سانچے میں بنے ہیں ڈھل کر

رنگ کالا ہو کہ اُجلا ہو یہ کہتی ہے نظر
بندرابن کی وہ ہے شام یہ متھرا کی سحر

گُنگرے سے یہ نہیں چہرۂ نورانی پر
تاج قدرت نے سجا ہے تری پیشانی پر

دیکھے جنگل میں کوئی شام کو تیری رفتار
بے پیے جیسے کسی کو ہو جوانی کا خمار

مست کر دیتی ہے شاید تجھے قدرت کی بہار
وہ اُترتی ہوئی دھوپ اور وہ سبزے کا نکھار

ایک ایک گام پہ شوخی سے مچلنا تیرا
پی کے جنگل کی ہوا جھوم کے چلنا تیرا

صاحب دل تجھے تصویر وفا کہتے ہین — چشمۂ فیضِ خدا مرد خدا کہتے ہین
درد مندون کی مسیحا شعرا کہتے ہین — مان تجھے کہتے ہین ہندو تو بجا کہتے ہین

کون ہی جس نے ترے دودھ سے منھ پھیر لیا ہے
آج اس قوم کی رگ رگ مین لہو تیرا ہے

نام جس کا ہی محبت وہ ہے ایمان تیرا — کوئی ہو سب کے لیے فیض ہو یکسان تیرا
زندگی کے لیے محتاج ہے انسان تیرا — کون بیمار نہین بندۂ احسان تیرا

حلق مین دودھ سے تیرے جو تری رہتی ہی
خشک ٹہنی تنِ لاغر کی ہری رہتی ہی

صورتین یاد ہین اُن بچون کی پیاری پیاری — زندگی جنھین ایک ایک گھڑی تھی بھاری
تیرے دم سے نہ رہی یاس کی حالت طاری — ہوگئین اُن کے لیے دودھ کی نہرین جاری

کتنے بگڑے ہوئے پودھون کو سنبھالا تونے
مان جنھین چھوڑ چلی تھی اُنھین پالا تونے

تیرے بچون نے کیا اپنے تئین ہم پہ نثار — اپنی گردن پہ لیا پرورشِ قوم کا بار
نظر آتی ہے جو ہر فصل مین کھیتی تیار — ہی یہ سب اُن کے لہو اور پسینے کی بہار

اُن کو منظور نہ ہوتا جو مٹانا اپنا
ہند کی خاک اُگلتی نہ خزانا اپنا

اہل دین نے تجھے جنت کا سہارا سمجھا　　اپنے ایمان کی قسمت کا ستارا سمجھا

سوربیرون نے تجھے جان سے پیارا سمجھا　　تجھ کو اکبر نے سدا آنکھ کا تارا سمجھا

آبرو قوم کی ہے تیری نگہبانی پر

یہی دو حرف لکھے ہین تری پیشانی پر

مثل بچّون کے ترے دودھ کے ہین متوالے　　جو ضعیفی سے پڑے رہتے ہین بستر ڈالے

مست رہتے ہین ترے فیض سے کس بل والے　　پیار سے کہتے ہین ماما تجھے بچّے بالے

تیری الفت سے اُنھین منھ نہین موڑا جاتا

تیری صورت کا کھلونا نہین توڑا جاتا

میرے دل مین ہی محبّت کا تری سرمایا　　مان کے دامن سے ہی بڑھکر مجھے تیرا سایا

یاد ہی فیض طبیعت نے جو تجھ سے پایا　　عین قسمت جو ترا نام زبان پہ آیا

اِس حلاوت سے جو دعوایِ سخنگوئی ہی

دودھ سے تیرے لڑکپن مین بان دھوئی ہی
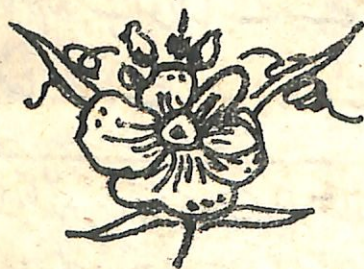
قومی مسدس

(نظم متعلق ہندو یونیورسٹی) سنہ ۱۹۱۱ء

الٰہی کون فرشتے ہین یہ گدائے وطن
صفائے قلب سے جن کے یہ بزم ہو روشن
جھکی ہوئی ہو سبھون کی لحاظ سے گردن
ہر اک زبان پہ ہین تعظیم اور ادب کے سخن
صفین کھڑی ہین جوانون کی اور پیرون کی
خدا کی شان یہ پھیری ہو کن فقیرون کی

فقیر علم کے ہین ان کی داستان سن لو
پیام قوم کا دکھ درد کا بیان سن لو
یہ دن وہ دن ہو جو ہو یادگار ہان سن لو
ہو آج غیرت قومی کا امتحان سن لو
یہی ہو وقت امیرون کی پیشوائی کا
فقیر آئے ہین کاسہ لیے گدائی کا

جو اپنے واسطے مانگین یہ وہ فقیر نہین
طمع مین دولت دنیا کی یہ اسیر نہین
امیر دل کے ہین ظاہر کے یہ امیر نہین
وہ آدمی نہین ان کا جو دستگیر نہین
تمام دولت ذاتی لٹا کے بیٹھے ہین
تمھارے واسطے دھونی رما کے بیٹھے ہین

؂ یہ نظم بتاریخ ۲ ستمبر سنہ ۱۹۱۱ء لکھنؤ مین ہندو یونیورسٹی کے عظیم الشان جلسہ مین پڑھی گئی تھی۔ اس جلسہ مین پنڈت مدن موہن صاحب مالوی اور دیگر حضرات یونیورسٹی کے لیے چندہ جمع کرنے کے لیے تشریف لائے تھے۔

سوال ان کا ہے تعلیم کا بنے منذر — کلس ہو جس کا ہمالہ سے اوج مین برتر
اسی امید پہ یہ گھومتے ہین شام و سحر — صدا لگاتے ہین راہ خدا مین یہ گھر گھر

وہ خود غرض ہین جو دولت پہ جان دیتے ہین
وہی ہین مرد جو دنیا کا دان دیتے ہین

سوال رد نہ ہو ان کا یہ شرط ہے تدبیر — اسی سے پائین گے یہان آبرو و توقیر
یہ ہے ترقی قومی کے واسطے اکسیر — بہے علوم کی گنگا پیین غریب امیر

وقار قوم بڑھے دور بے زری ہو جائے
اُجڑ گئی ہے جو کھیتی وہ پھر ہری ہو جائے

جو ہو رہا ہے زمانہ مین ہی تمھین معلوم — کہ ہو گئے ہین گران کس قدر فنون و علوم
تمھاری قوم سے دولت ہوئی ہی یون معدوم — کہ اب ترستے ہین پڑھنے کو سیکڑون معصوم

وہ خود ترستے ہین مان باپ اُنکے روتے ہین
تمھاری قوم کے بچے تباہ ہوتے ہین

یہ بے گناہ اُسی قوم کے ہین لخت جگر — کہ جس نے تم کو بھی پالا ہی صورت مادر
جگر پہ قوم کے افلاس کا چلے خنجر — غضب خدا کا تمھارے دلون پہ ہو نہ اثر

اُسی سے بے خبری جس کے دم سے جیتے ہو
اُسے رُلاتے ہو جس مان کا دودھ پیتے ہو

یہ قحط کیا ہے۔ یہ طاعون کیا ہے کیا ہے وبا ‎ ‎ تمھاری قوم پہ نازل ہوا ہے قہر خدا

جو راہ راست سے ہوتی ہے کوئی قوم جدا ‎ ‎ اسی طرح اُسے ملتی ہے ایک روز سزا

اسی طرح سے ہر قوم کی بگڑتی ہے

اسی طرح سے غریبوں کی آہ پڑتی ہے

گناہ قوم کے دھو جائیں اب وہ کام کرو ‎ ‎ مٹے کلنک کا ٹیکا وہ فیض عام کرو

نفاق و جہل کو بس دور سے سلام کرو ‎ ‎ کچھ اپنی قوم کے بچّوں کا انتظام کرو

یہ کام ہو کے رہے چاہے جان رہے نہ رہے

زمین رہے نہ رہے آسمان رہے نہ رہے

یہ کار خیر میں کوشش یہ قوم کا دربار ‎ ‎ لگا دو آج تو چاندی کے ہر طرف انبار

یہ سب کہیں کہ ہے زندہ یہ قوم غیرت دار ‎ ‎ ہے اس کے دل میں بزرگوں کی آبرو کا وقار

سروں میں حبّ وطن کا جنون باقی ہے

رگوں میں بھیشم و ارجن کا خون باقی ہے

مسز بسنٹ کے احسان کی تمہیں ہے خبر ‎ ‎ کیا نثار بڑھاپا تمہارے بچّوں پر

شریک وہ بھی ہیں اس کار خیر کے اندر ‎ ‎ نہ اُن کی آنکھ ہو نیچی رہے یہ مدّ نظر

مٹے نہ بات کہیں تم پہ مٹنے والوں کی

تمھارے ہاتھ ہے شرم ان سفید بالوں کی

تمہارے واسطے لازم ہے مالوی کا بھی پاس — کہ جس کی ذات سے اٹکی ہوئی ہے قوم کی آس
لیا غریب نے گھر بار چھوڑ کر بن باس — جو یہ نہیں ہے تو کہتے ہیں پھر کسے سنیاس

تمام عمر کٹی ایک ہی قرینے پر
گرایا اپنا لہو قوم کے پسینے پر

اسی کے ہاتھ میں ہے قوم کا سنور جانا — تمہاری ڈوبتی کشتی کا پھر ابھر جانا
جو تم نے اب بھی نہ دنیا میں کام کر جانا — تو یہ سمجھ لو کہ بہتر ہے اس سے مر جانا

غضب ہوا جو دل اس کا بھی تم سے اوب گیا
گرا اس آنکھ سے آنسو تو نام ڈوب گیا

گھٹا میں جہل کی چھائی ہوئی ہیں تیرہ و تار — یہ آرزو ہے کہ تعلیم سے ہو بیڑا پار
مگر جو خواب سے اب بھی نہ تم ہوے بیدار — تو جان لو کہ ہے اس قوم کی چتا تیار

مٹے گا دین بھی اور آبرو بھی جائے گی
تمہارے نام سے دنیا کو شرم آئے گی

جو اس طرح ہوا دنیا میں آبرو کا زوال — تو کام آئے گا عقبیٰ میں کیا یہ دولت و مال
کرو خدا کے لیے کچھ مرے ہوؤں کا خیال — نہ ہوں تمہارے بزرگوں کی ہڈیاں پامال

یہ آبرو تو ہزاروں برس میں پائی ہے
نہ یوں لٹاؤ کہ رشیوں کی یہ کمائی ہے

ف پنڈت مدن موہن صاحب مالوی —

لٹاؤ نام پہ دولت اگر ہو غیرت دار
پکار اُٹھے یہ زمانہ کہ ہے یہ پر اُپکار

ہے زور ہمت مردانہ قوم کو درکار
ورق اُلٹ دو زمانہ کا ہل اٹھے سب اک بار

اگر ہو مرد نہ یون عمر رائیگان کاٹو
غریب قوم کے پیرون کی بیڑیان کاٹو

یہ کار خیر وہ ہو کہ نام چارسو رہ جائے
تمھاری بات زمانہ کے روبرو رہ جائے

جو غیر ہین انھین ہنسنے کی آرزو رہ جائے
غریب قوم کی دنیا مین آبرو رہ جائے

ذرا حمیت و غیرت کا حق ادا کر دو
فقیر قوم کے آئے ہین جھولیان بھر دو

یہان سے جائین تو جائین یہ جھولیان بھر کر
لُٹائین علم کی دولت تمھارے بچون پر

ادھر یہ ناز ہو تم کو کہ خوش گئے یہ بشر
جو ہو سکا وہ کیا نذران کے ٹیک کے سر

یہی ہو فخر جوانون کا اور پیرون کا
سوال رد نہ کیا قوم کے فقیرون کا

رامائن کا ایک سین

(راجہ رامچندر کا ماں سے رخصت ہونا)

رخصت ہوا وہ باپ سے لیکر خدا کا نام
راہ وفا کی منزل اول ہوئی تمام

منظور تھا جو ماں کی زیارت کا انتظام
دامن سے اشک پونچھ کے دل سے کیا کلام

اظہار بیکسی سے ستم ہوگا اور بھی
دیکھا ہمیں اداس تو غم ہوگا اور بھی

دل کو سنبھالتا ہوا آخر وہ نونہال
خاموش ماں کے پاس گیا صورت خیال

دیکھا تو ایک در میں ہی بیٹھی وہ خستہ حال
سکتا سا ہو گیا ہی یہ ہے شدت ملال

تن میں لہو کا نام نہیں زرد رنگ ہے
گویا بشر نہیں کوئی تصویر سنگ ہے

کیا جانے کس خیال میں گم تھی وہ بیگناہ
نور نظر پہ دیدۂ حسرت سے کی نگاہ

جنبش ہوئی لبوں کو بھری ایک سرد آہ
لی گوشہ ہائے چشم سے اشکوں نے رخ کی راہ

چہرے کا رنگ حالت دل کھولنے لگا
ہر موئے تن زباں کی طرح بولنے لگا

آخر اسیر یاس کا قفل دہن کھلا
افسانۂ شدائد رنج و محن کھلا

اک دفتر مظالم چرخ کہن کھلا
وا تھا دہان زخم کہ باب سخن کھلا

دردِ دلِ غریب جو صرفِ بیان ہوا
خونِ جگر کا رنگ سخن سے عیان ہوا

رو کر کہا خموش کھڑے کیون ہو میری جان | مین جانتی ہون جس لیے آئے ہو تم یہان
سب کی خوشی یہی ہے تو صحرا کو ہو روان | لیکن مین اپنے منھ سے نہ ہرگز کہونگی ہان

کس طرح بن مین آنکھون کے تارے کو بھیج دون
جوگی بنا کے راج دُلارے کو بھیج دون

دنیا کا ہو گیا ہے یہ کیسا لہو سپید | اندھا کیے ہوے ہے زر و مال کی اُمید
انجام کیا ہو کوئی نہین جانتا یہ بھید | سوچے بشر تو جسم ہو لرزان مثالِ بید

لکھی ہے کیا حیات ابد اُن کے واسطے
پھیلا رہے ہین جال یہ کس دن کے واسطے

لیتی کسی فقیر کے گھر مین اگر جنم | ہوتے نہ میری جان کو سامان یہ بہم
ڈستا نہ سانپ بن کے مجھے شوکت و حشم | تم میرے لال تھے مجھے کس سلطنت سے کم

مین خوش ہون پھونک دے کوئی اس تخت و تاج کو
تم ہی نہین تو آگ لگاؤنگی راج کو

ؔ بھرت جی کی مان کیکئی کی طرف اشارہ ہے جن کی ضد سے مجبور ہو کر راجہ دسرت نے رامچندر جی کو بن باس کا حکم دیا تھا اور بھرت جی کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔

کن کن پریاضتون سے گذارے ہین وسال   دیکھی تمہاری شکل جب اے میرے نونہال

پورا ہوا جو بیاہ کا ارمان تھا کمال   آفت یہ آئی مجھ پہ ہوے جب سفید بال

چھٹتی ہون اُن سے جوگ لیا جن کے واسطے

کیا سب کیا تھا مین نے اسی دن کے واسطے

ایسے بھی نامراد بہت آئین گے نظر   گھر جن کے بے چراغ رہے آہ عمر بھر

رہتا مرا بھی نخل تمنّا جو بے ثمر   یہ جائے صبر تھی کہ دعا مین نہین اثر

لیکن یہان تو بن کے مقدّر بگڑ گیا

پھل پھول لا کے باغِ تمنّا اُجڑ گیا

سرزد ہوے تھے مجھ سے خدا جانے کیا گناہ   منجھدار مین جو یون مری کشتی ہوئی تباہ

آتی نظر نہین کوئی امن و امان کی راہ   اب یان سے کوچ ہو تو عدم مین ملے پناہ

تقصیر میری خالقِ عالم بحِل کرے

آسان مجھ غریب کی مشکل اجل کرے

سُن کر زبان سے مان کی یہ فریاد درد خیز   اُس خستہ جان کے دل پہ چلی غم کی تیغ تیز

عالم یہ تھا قریب کہ آنکھین ہون اشک ریز   لیکن ہزار ضبط سے رونے سے کی گریز

سوچا یہی کہ جان سے بیکس گذر نہ جائے

ناشاد ہم کو دیکھ کے مان اور مر نہ جائے

پھر عرض کی یہ مادرِ ناشاد کے حضور | مایوس کیون ہین آپ الم کا ہی کیون وفور
صدمہ یہ شاق عالمِ پیری مین ہی ضرور | لیکن نہ دل سے کیجیے صبر و قرار دور

شاید خزان سے شکل عیان ہو بہار کی
کچھ مصلحت اسی مین ہو پروردگار کی

یہ جعل یہ فریب یہ سازش یہ شور و شر | ہونا جو ہی سب اُس کے بہانے ہین سر بسر
اسباب ظاہری ہین نہ ان پر کرو نظر | کیا جانے کیا ہی پردۂ قدرت مین جلوہ گر

خاص اُس کی مصلحت کوئی پہچانتا نہین
منظور کیا اُسے ہے کوئی جانتا نہین

راحت ہو یا کہ رنج خوشی ہو کہ انتشار | واجب ہر ایک رنگ مین ہی شکرِ کردگار
تم ہی نہین ہو کشتۂ نیرنگ روزگار | ماتم کدہ مین دہر کے لاکھون ہین سوگوار

سختی سہی نہین کہ اُٹھائی کڑی نہین
دنیا مین کیا کسی پہ مصیبت پڑی نہین

دیکھے ہین اس سے بڑھ کے زمانے نے انقلاب | جن سے کہ بے گناہون کی عمرین ہوئین خراب
سوزِ درون سے قلب و جگر ہو گئے کباب | پیری مٹی کسی کی کسی کا مٹا شباب

کچھ بن نہین پڑا جو نصیبے بگڑ گئے
وہ بجلیان گرین کہ بھرے گھر اُجڑ گئے

ماں باپ منہ ہی دیکھتے تھے جن کا ہر گھڑی　　قائم تھیں جن کے دم سے اُمیدیں بڑی بڑی
دامن پہ جن کے گرد بھی اُڑ کر نہیں پڑی　　ماری نہ جن کو خواب میں بھی پھول کی چھڑی

محروم جب وہ گل ہوئے رنگِ حیات سے
اُن کو جلا کے خاک کیا اپنے ہات سے

کہتے تھے لوگ دیکھ کے ماں باپ کا ملال　　اِن بیکسوں کی جان کا بچنا ہے اب محال
ہے کبریا کی شان گذرتے ہی ماہ و سال　　خود دل سے دردِ ہجر کا مٹتا گیا خیال

ہاں کچھ دنوں تو نوحہ و ماتم ہوا کیا
آخر کو رو کے بیٹھ رہے اور کیا کیا

پڑتا ہے جس غریب پہ رنج و محن کا بار　　کرتا ہے اُس کو صبر عطا آپ کردگار
مایوس ہو کے ہوتے ہیں انسان گناہگار　　یہ جانتے نہیں وہ ہے دانائے روزگار

انسان اُس کی راہ میں ثابت قدم رہے
گردن وہی ہے امرِ رضا میں جو خم رہے

اور آپ کو تو کچھ بھی نہیں رنج کا مقام　　بعد سفر وطن میں ہم آئیں گے شاد کام
ہوتے ہیں بات کرتے میں چودہ برس تمام　　قائم اُمید ہی سے ہے دنیا ہے جس کا نام

اور یوں کہیں بھی رنج و بلا سے مفر نہیں
کیا ہوگا دو گھڑی میں کسی کو خبر نہیں

اکثر ریاض کرتے ہین پھولون پہ باغبان | ہے اُن کی دھوپ رات کی شبنم انھین گران
لیکن جو رنگ باغ بدلتا ہی ناگہان | وہ گل ہزار پردون مین جاتے ہین رائیگان

رکھتے ہین جو عزیز انھین اپنی جان کی طرح
مَلتے ہین دستِ یاس سے برگِ خزان کی طرح

لیکن جو پھول کھلتے ہین صحرا مین بے شمار | موقوف کچھ ریاض پہ اُن کی نہین بہار
دیکھو یہ قدرتِ چمن آرائے روزگار | وہ ابر و باد و برف مین رہتے ہین برقرار

ہوتا ہے اُن پہ فضل جو ربِّ کریم کا
موجِ سموم بنتی ہے جھونکا نسیم کا

اپنی نگاہ ہے کرمِ کارساز پر | صحرا چمن بنے گا وہ ہے مہربان اگر
جنگل ہو یا پہاڑ سفر ہو کہ ہو حضر | رہتا نہین وہ حال سے بندے کے بیخبر

اُس کا کرم شریک اگر ہی تو غم نہین
دامانِ دشت دامنِ مادر سے کم نہین

مان کا جواب

یہ گفتگو ذرا نہ ہوئی مان پہ کارگر | ہنس کر وفورِ یاس سے لڑکے پہ کی نظر
چہرہ پہ یون ہنسی کا نمایان ہوا اثر | جس طرح چاندنی کا ہو شمشان مین گذر

۱؎ مرگھٹ ۔

پنہان جو بیکسی تھی وہ چہرہ پہ چھا گئی
جو دل کی مردنی تھی نگاہون مین آ گئی

پھر یہ کہا کہ مین نے سنی سب یہ داستان — لاکھون برس کی عمر ہو دیتے ہو ان کو گیان[1]
لیکن جو میرے دل کو ہے درپیش امتحان — بچے ہو اس کا علم نہین تم کو بے گمان

اِس درد کا شریک تمھارا جگر نہین
کچھ ممتا[2] کی آنچ کی تم کو خبر نہین

آخر ہے عمر ہے یہ مرا وقت واپسین — کیا اعتبار آج ہون دنیا مین کل نہین
لیکن وہ دن بھی آئے گا اِس کا مجھے ہے یقین — سوچو گے جب کہ روئی تھی کیون مادر حزین

اولاد جب کبھی تمھین صورت دکھائے گی
فریاد اس غریب کی تب یاد آئے گی

اِن آنسوؤن کی قدر تمھین کچھ ابھی نہین — باتون سے جو مجھے ہے وہ دِل کی لگی نہین
لیکن تمھین ہو رنج یہ میری خوشی نہین — جاؤ سدھارو خوش رہو میں کچھ دکھی نہین

دنیا مین بیحیائی سے زندہ رہون گی مین
پالا ہی مین نے تم کو تو دکھ بھی سہون گی مین

نشتر تھے رام کے لیے یہ حرف آرزو — دِل ہِل گیا سرکنے لگا جسم سے لہو

---

[1] علم الٰہی کا سبق ۔ [2] ماں کی محبت کا قدرتی جذبہ ۔

سمجھے جہان کے دین کو ایمان آبرو — سُنّنی پڑے اُسے یہ خجالت کی گفتگو

کچھ بھی جواب بن نہ پڑا فکر و غور سے
قدمون پہ مان کے گر پڑے آنسو کے طور سے

طوفان آنسوؤن کا زبان کر رہا تھا بند — رُک رُک کے اس طرح ہوا گویا وہ درد مند
پہونچی ہے مجھ سے آپکے دل کو اگر گزند — مرنا مجھے قبول ہے جینا نہین پسند

جو بے وفا ہے مادرِ ناشاد کے لیے
دوزخ یہ زندگی ہے اُس اولاد کے لیے

ہے دور اِس غلام سے خود رائی کا خیال — ایسا گمان بھی ہو یہ میری نہین مجال
گر سو برس بھی عمر کو میری نہ ہو زوال — جو دین آپ کا ہے ادا ہو یہ ہے محال

جاتا کہین نہ چھوڑ کے قدمون کو آپکے
مجبور کر دیا مجھے وعدہ نے باپ کے

آرام زندگی کا دکھاتا ہے سبز باغ — لیکن بہارِ عیش کا مجھ کو نہین دماغ
کہتے ہین جس کو دھرم وہ دنیا کا ہے چراغ — ہٹ جاؤن اِس روش سے تو کل مین لگیگا داغ

بے آبرو یہ نسل نہ ہو یہ ہراس ہے
جس گود مین پلا ہون مجھے اس کا پاس ہے

ا خاندان ۲ قوم -

بن باس پر خوشی سے راضی ہوں گا مین — کس طرح منہ دکھانے کے قابل ہوں گا مین
کیون کر زبانِ غیر کے طعنے سہوں گا مین — دنیا جو یہ کہے گی تو پھر کیا کہوں گا مین

لڑکے نے بے حیائی کو نقش جبین کیا
کیا بے ادب تھا باپ کا کہنا نہین کیا

تاثیر کا طلسم تھا معصوم کا خطاب — خود مان کے دل کو چوٹ لگی سن کے یہ جواب
غم کی گھٹا سے ہٹ گئی تاریکی عتاب — چھاتی بھر آئی ضبط کی باقی رہی نہ تاب

سر کا کے پانون گود مین سر کو اٹھا لیا
سینہ سے اپنے لختِ جگر کو لگا لیا

دونون کے دل بھر آئے ہوا دہی سمان — گنگ و جمن کی طرح سے آنسو ہوے روان
ہر آنکھ کو نصیب یہ اشکِ وفا کہان — اِن آنسوؤن کا مول اگر ہے تو نقد جان

ہوتی ہے اِن کی قدر فقط دل کے راج مین
ایسا گہر نہ تھا کوئی دسرت[۲] کے تاج مین

۱؎ جلا وطنی ۔ ۲؎ راجہ دسرت راجہ رامچندر کے والد

سیر ڈیرہ دون

سنہ ۱۹۱۶ء

یہین بہار کا پہلے پہل یہ اٹھا شگون — عجیب خطۂ دلکش ہے شہر ڈیرہ دون

نگاہِ شوق نے کیا کیسے کیا سمان دیکھا — نئی زمین نیا رنگِ آسمان دیکھا

سُنا جو کرتے تھے وہ باغ پر فضا ہے یہی — اگر پہاڑ مین جنّت تو رہتی ہے یہی

ازل مین تھی جو فضا اُس کی یادگار ہے یہ — نشیب کوہ مین گہوارہ بہار ہے یہ

کیا نہین اسے غارت بشر کی صنعت نے — یہ سبزہ زار سجایا ہی دستِ قدرت نے

سپرد ابر کے ہے انتظام پانی کا — ہوائے سرد کو ہے حکم باغبانی کا

تمام شہر ہے گرد و غبار سے خالی — جدھر نگاہ اُٹھے اُس طرف ہے ہریالی

لباس پہنے ہین گل خشت و سنگ سبزہ کا — بجائے خاک کے اُڑتا ہے رنگ سبزہ کا

اثر خزان کا ہو کیا تازگی کے مسکن مین — پہاڑ اس کو چھپائے ہین اپنے دامن مین

گھنے درخت ہری جھاڑیان ہین شاداب — لطیف و سبز ہوا پاک و صاف چشمۂ آب

کمی کبھی نہین شادابیون کے سامان مین — ٹھہر گئی ہے بہار آ کے اس گلستان مین

طلسم حسن کا ہے بیچ مین یہ گلدستہ — کھڑے ہین کوہ و شجر پہلوؤن مین صف بستہ

یہان جو آ کے مسافر مقام کرتے ہین — یہ سنتری انھین پہلے سلام کرتے ہین

جو دور جائیے بستی سے اور ہی ہے سمان — یہ سوچتا ہی پہاڑون کو دیکھ کر انسان

بشر پہ رعب یہ قدرت کا چھا گیا کیسا — یہ بل زمین کی تیوری پہ آگیا کیسا

بلندیون سے جو ہو مائلِ نشیب نظر — فریب دیتا ہے ندّی کا پیچ و خم اکثر

نگہ کو دور سے پانی ہے یون نظر آتا — سپید ناگ چلا جا رہا ہے بل کھاتا

قریب ہوتا ہے آخر یہ دور کا عالم — نگاہ دیکھتی ہے پھر سرور کا عالم

فضائے کوہ مین ایسی ہوا سماتی ہے — بشر کی روح کو رحمت کی نیند آتی ہے

بس ایک عالمِ ہُو چار سمت طاری ہے — نہ شور و شر ہے نہ دنیا کی آہ و زاری ہے

اثر دکھاتا ہے قدرت کا نغمۂ دلگیر — شجر حجر سے ٹپکتی ہے راگ کی تاثیر

یہ راگ وہ ہے جو مضراب کا اسیر نہین — یہ صرف کان کے پردون مین گوشہ گیر نہین

وہی سُنے گا اِسے دل گداز ہے جس کا — ہو دل مین سوز تو رگ رگ مین ساز ہے اس کا

یہ راگ مجھ مین سمایا سرورِ مے ہو کر — ہوس تھی روح کو مل جائے اس مین لے ہو کر

حریم خاص مین قدرت کی باریابی تھی — نگاہِ شوق مین اک شانِ بے حجابی تھی

نشست سنگ پہ تھی سایۂ شجر کے تلے — روان تھا چشمۂ آبِ خنک نظر کے تلے

شریکِ حال تھی وضعِ قدیم قدرت کی — عیان تھی سنگ و شجر سے کشش محبت کی

شرابِ اُنسِ حقیقی سے تھا ہر اک سرشار — شجر تھا کوہ تھا چشمہ تھا یا یہ مشتِ غبار

درخت و کوہ ہین کیا ذاتِ پاک انسان کیا — طیور کیا ہین ہوا کیا ہے ابرِ باران کیا

یہ موج ہستی بیدار کے عناصر ہین — سب ایک قافلۂ شوق کے مسافر ہین
یہ دل کے ٹکڑے ہین قدرت کے اِن مین بیر نہین — سب ایک گود کے پالے ہین کوئی غیر نہین
اِنھین سے نغمۂ قدرت ہے اوج و پستی مین — سب ایک ساز کے پردے ہین بزم ہستی مین
جدا کسی سے بھی ہستی کا اپنی راز نہین — کچھ آبشار مین اور ہم مین امتیاز نہین
ہے جسم خاک یہان اُس کا جسم پانی ہے — جو روح ہم مین ہے اُس مین وہی روانی ہے
اِسی خیال مین طبع لطیف تھی سرشار — کچھ ایسی بے خبری تھی کہ ہوش اُس پہ نثار
دل اپنے رنگ مین بیتاب تھا اہل زمان سے — کہ اِس فضا مین ہو آزاد روح زندان سے
اجل جو آئے تو اِس کوہسار کے نیچے — بنے مزار کسی آبشار کے نیچے

غرضکہ روح کی آنکھون سے یہ سمان دیکھا — ازل کے دن جو چھٹا تھا وہ آشیان دیکھا
نیا سرور میسر ہوا سفر کر کے — مگر نہ سیرِ چمن کر سکے نظر بھر کے
نصیب دل کو رہا ایسے میزبان سے نیاز — کہ جس کی ذات پہ ہے خاک ڈیرہ دون کو ناز

وہ ذات کیا ہے کہ تصویر ہے حمیت کی
اُسی سے شرح ہوئی لفظ آدمیت کی

حصۂ سوم

(نوحہ جات)

بشن نرائن در

سنہ ۱۹۱۶ء

صدمۂ عام یہ ہے قوم کا پیارا نہ رہا
بے زبانون کی زبان دل کا سہارا نہ رہا

گلشنِ علم و ادب کا چمن آرا نہ رہا
مطلع دانش و بینش کا ستارا نہ رہا

سب یہ غم ایک طرف ایک طرف غم اپنا
جس سے دنیا نہین واقف وہ ہی ماتم اپنا

ہم نے دیکھے ہین ترے اشک محبّت اکثر
جن پہ صدقے ہین زبان اور قلم کے جوہر

دو نگینے تھے حمیّت کے ترے قلب و جگر
ہوئی غیرون کو نہ اِس پاک خزانے کی خبر

ظاہری حسنِ لیاقت کے یہ دیوانے ہین
شمع دیکھی نہین فانوس کے پروانے ہین

دولتِ علم و ہنر سے نہین دُنیا خالی　　بزمِ عالم کی یہ رونق نہین جانے والی
پر ہے کمیاب وہ جوہر وہ سرشت عالی　　آدمیت کی بنا جس نے ازل مین ڈالی

کچھ بڑی بات نہین فاضلِ دوران ہونا
آدمی کے لیے معراج ہے انسان ہونا

آدمیت کی یہ تصویر مٹی جاتی ہے　　حسن اخلاق کی تدبیر مٹی جاتی ہے
جذبۂ خیر کی توقیر مٹی جاتی ہے　　ہم مٹے جاتے ہین تقدیر مٹی جاتی ہے

دلِ مایوس محبت کا عزا خانہ ہے
اپنی آنکھون مین یہ دُنیا نہین ویرانہ ہے

ہے نظر مین تری ہستی کے ستارہ کا زوال　　وہ شبِ غم کی سیاہی وہ مرض کا بھونچال
تب بھی سودائے وطن تھا ترے جینے کا مآل　　خوف کہتے ہین کسے موت کا آیا نہ خیال

کاہشِ تن سے طبیعت کی جلا کم نہ ہوئی
روشنی شمع کی گھلنے سے ذرا کم نہ ہوئی

تجھ کو یوگی کہون یا عالمِ بالا کا سفیر　　تھا الگ اہلِ جہان سے تری مٹی کا خمیر
سچ ہے دنیائے دنی کی جو رہی دامن گیر　　کیا سبق روح کو لینا تھا یہان رہ کے اسیر

کیا اسی طرح سے فطرت کی صفا ممکن تھی
کیا اِسی آگ مین جلنے سے جِلا ممکن تھی

روشِ عام سے تجھ کو نہ سروکار رہا | جوہرِ خاص کا ہستی سے طلبگار رہا
گو کہ جنجال مین دنیا کے گرفتار رہا | اپنے دامن کو سمیٹے ہوئے ہشیار رہا

رنگ دنیا سے رہا عالمِ فانی مین جدا
جیسے لہرون سے کنول رہتا ہی پانی مین جدا

تجھ کو معلوم نہ تھا دولتِ دنیا کیا ہی | حرص کیا شے ہی زر و مال کا سودا کیا ہی
خود پرستی کا زمانہ مین تقاضا کیا ہی | عیش کیا چیز ہے راحت کی تمنّا کیا ہی

تو نہ سمجھا کبھی غیرون کی مدد کے غم مین
اپنی راحت کا بھی سامان ہی اس عالم مین

کارِ دنیا مین گرفتار ہین جو دنیادار | اُن کو دیکھا ہے تری بیخبری سے بیزار
تو کہان اور کہان اُن کی نظر کا معیار | پھول جو اُن کے لیے ہین وہ تجھے تھے خس و خار

لطف اِس بے خبری کا وہ اٹھائین کیونکر
خاک مین لوٹتے ہین عرش پہ جائین کیونکر

خلعتِ نورِ طبیعت کو دیا قدرت نے | آبروِ علم نے دی ظرف دیا غیرت نے
خود پسندی کو گوارا نہ کیا عادت نے | سات پردون سے نکالا تجھے خود شہرت نے

تو مگر جوہرِ ذاتی کو دباتا ہی رہا
اپنے دامن مین چراغ اپنا چھپاتا ہی رہا

شہرۂ عام کو سمجھا نہ لیاقت کا صِلا　　نکتہ چینیون سے شکایت نہ رقیبون سے گِلا
دیدۂ غیر مین کھٹکی نہ طبیعت کی جِلا　　تو زمانہ سے مہِ نو کی طرح جھک کے مِلا

عاجزی دل کی جھلکتی رہی پیشانی سے
تو وہ دریا تھا جو واقف نہین طغیانی سے

دل محبت پہ فدا آنکھ مروت سے غنی　　تجھ کو دشمن کی بھی منظور نہ تھی دل شکنی
مگر انصاف کے حق مین ہوا گر نیش زنی　　پھر نہ تھا تجھ سے زیادہ کوئی جرأت کا دھنی

شیرِ نرِ معرکۂ عام کی سرگرمی مین
طفلِ معصوم سے ملتا ہوا دل نرمی مین

آج کل مہر و وفا مین ہی تجارت کی ادا　　کوئی بیکس کا نہین دوست بجز ذات خدا
یون ہوا کرتے ہین یاران کہن دل سے جُدا　　جیسے پتّون سے گرا دیتی ہی پانی کو ہوا

جس کا اقبال زمانہ مین چمک جاتا ہی
اُس کو بچپن کے رفیقون سے حجاب آتا ہی

نہ ہوا فرق ترے رنگ محبت مین عیان　　دھوپ دولت کی ہی یا رہی افلاس کی چھان
تیری خدمت سے ہوا حباب کی مشکل آسان　　دین تیرا تھا یہی اور یہی تیرا ایمان

ایک ہی وضع رہی ایک ہی انداز رہا
اپنے پیارون کی غلامی پہ تجھے ناز رہا

بدنصیب ایسے بھی ہیں تجھ سے جو بیزار رہے
آکے دنیا میں فقط تیرے دل آزار رہے
ایسے بے درد زمانہ کے گنہگار رہے
مگر احسان سے تیرے نہ سُبکبار رہے

اُن کو شرمندہ کیا تو نے محبت کر کے
خود گنہگار ہوئے تجھ سے عداوت کر کے

دل ہو تیرا سا تو دنیا کی حقیقت کیا ہی
تن پرستی پہ جو ہو صرف وہ وصلت کیا ہی
غیر کو جس سے نہ راحت ہو وہ راحت کیا ہی
جس میں سودا نہ ہو کچھ بھی وہ طبیعت کیا ہی

زندگی یوں تو فقط بازیِ طفلانہ ہی
مرد وہ ہے جو کسی رنگ میں دیوانہ ہی

گوپال کرشن گوکھلے

۱۹۱۵ء

لرزتا تھا وطن جس خیال کے ڈر سے　　وہ آج خون رُلاتا ہے دیدۂ تر سے
صدا یہ آتی ہے پھل پھول اور پتھر سے　　زمیں پہ تاج گرا قوم ہند کے سر سے

حبیب قوم کا دنیا سے یوں روانہ ہوا
"زمین اُلٹ گئی کیا منقلب زمانہ ہوا"

بڑھی ہوئی تھی نحوستِ زوالِ پیہم کی　　ترے ظہور سے تقدیر قوم کی چمکی
نگاہِ یاس تھی ہندوستان پہ عالم کی　　عجیب شے تھی مگر روشنی ترے دم کی

تجھی کو مُلک میں روشن دماغ سمجھے تھے
تجھے غریب کے گھر کا چراغ سمجھے تھے

وطن کو تو نے سنوارا کس آب و تاب کے ساتھ　　سحر کا نور بڑھے جیسے آفتاب کے ساتھ
چُنے رفاہ کے گل حسنِ انتخاب کے ساتھ　　شباب قوم کا چمکا ترے شباب کے ساتھ

جو آج نشو و نما کا نیا زمانہ ہے

یہ انقلاب تری عمر کا فسانہ ہے

رہا مزاج میں سودائے قوم خو ہو کر　　وطن کا عشق رہا دل کی آرزو ہو کر

بدن میں جان رہی وقف آبرو ہو کر　　رگوں میں اشکِ محبت بہے لہو ہو کر

خدا کے حکم سے جب آب و گلِ بنا تیرا

کسی شہید کی مٹی سے دِل بنا تیرا

وطن کی جان پہ کیا کیا تباہیاں آئیں　　اُمنڈ اُمنڈ کے جہالت کی بدلیاں آئیں

چراغِ امن بُجھانے کو آندھیاں آئیں　　دلوں میں آگ لگانے کو بجلیاں آئیں

اِس انتشار میں جس نور کا سہارا تھا

اُفق پہ قوم کے وہ ایک ہی ستارا تھا

حدیث قوم بنی تھی تری زبان کے لیے　　زبان ملی تھی محبت کی داستان کے لیے

خدا نے تجھ کو پیمبر کیا یہاں کے لیے　　کہ تیرے ہاتھ میں ناقوس تھا اذان کے لیے

وطن کی خاک تری بارگاہ اعلیٰ ہے

ہمیں یہی نئی مسجد نیا شوالا ہے

غریب ہند نے تنہا نہیں یہ داغ سہا　　وطن سے دور بھی طوفان رنج و غم کا اُٹھا

حبیب کیا ہیں حریفوں نے یہ زبان سے کہا　　سفیر قوم جگر بند سلطنت نہ رہا

پیام شہ نے دیا رسم تعزیت کے لیے
کہ تو ستون تھا ایوان سلطنت کے لیے

دلون نقش ہین اتک تری زبان کے سخن
ہماری راہ مین گویا چراغ ہین روشن
فقیر تھے جو ترے در کے خادمان وطن
اُنھین نصیب کہان ہوگا اب ترا دامن

ترے الم مین وہ اس طرح جان کھوتے ہین
کہ جیسے باپ سے چُھٹکر یتیم روتے ہین

اجل کے دام مین آنا ہے یون تو عالم کو
مگر یہ دل نہین تیار تیرے ماتم کو
پہاڑ کہتے ہین دُنیا مین ایسے ہی غم کو
مٹا کے تجھ کو اجل نے مٹا دیا ہم کو

جنازہ ہند کا در سے ترے نکلتا ہے
سہاگ قوم کا تیری چتا مین جلتا ہے

رہے گا رنج زمانہ مین یادگار ترا
وہ کون دل ہے کہ جس مین نہین مزار ترا
جو کل رقیب تھا ہے آج سوگوار ترا
خدا کے سامنے ہے ملک شرمسار ترا

پلی ہے قوم ترے سایۂ کرم کے تلے
ہمین نصیب تھی جنت ترے قدم کے تلے

گنگا پرشاد ورما

سنہ ۱۹۱۲ء

کس کے ماتم میں یہ سامان سیہ پوشی ہے ‌ ‌ کچھ عجب طرح کی احباب میں سرگوشی ہے
کہیں سکتا ہے کہیں عالم بیہوشی ہے ‌ ‌ بیر تو مجمع ہے اور اس طرح کی خاموشی ہے

کون نخل سرو ہوا غم ہے تازہ کس کا
قوم کے سامنے ہے آج جنازہ کس کا

رنگ چہرہ کا یہ کہتا ہے کہ دل ہیں ناشاد ‌ ‌ لب تک آتے ہوے رکتی ہے گلو میں فریاد
کیا قیامت ہے کہ اس طرح ہو محفل آباد ‌ ‌ شام ہو جائے اور آئیں نہیں گنگا پرشاد

کس نے اس بزم نحوست کی بنا ڈالی ہے
جس کو سب ڈھونڈھتے ہیں اُس کی جگہ خالی ہے

پیڑ سرسبز ہیں پھلواوں میں یہ ان آب بھی ہے ‌ ‌ ڈوبتی کرنوں سے فوارے میں اک تاب بھی ہے
گل فرخیز بھی ہیں سبزہ شاداب بھی ہے ‌ ‌ شام کا وقت بھی ہے مجمع احباب بھی ہے

تو کہاں ہے کہ جو اس باغ کا شیدائی ہے
تجھ سے ملنے کے لیئے فصل بہار آئی ہے

ہم کو آسان نہیں دل سے مٹانا تیرا ‌ ‌ ایک دنیا کا بھلانا ہے بھلانا تیرا
سامنے آنکھوں کے گذرا ہے زمانا تیرا ‌ ‌ در و دیوار پہ لکھا ہے فسانا تیرا

اِس چمن سے جو سرِ شام ہوا آتی ہے

ہم کو اب تک تری باتوں کی صدا آتی ہے

لکھنؤ کا تجھے دم بھر نہ گوارا تھا فراق | مر کے اس خاک کا دامن ملا رنج ہے شاق
لے گیا تجھ کو پہاڑوں میں اجل کا قزاق | رہ گئیں جلوۂ آخر کی نگاہیں مشتاق

دو قدم لاش تری دوش پہ ہم دھر نہ سکے

آخری فرض محبت کا ادا کر نہ سکے

کچھ تجھے مادرِ ناشاد کا آیا نہ خیال | جوشِ طوفان میں ہے کشتی شکستہ پامال
تیرے ماتم میں پریشان ہیں وہ برف سے بال | دیکھ ملتی ہے زمیں سنکے یہ کھیا کا سوال

مدتوں یاد میں اپنی نہ رُلانا ہرگز

میں بھی آتی ہوں مجھے بھول نہ جانا ہرگز

یاد ہے محفلِ عالم میں اُبھرنا تیرا | قوم و سرکار کی آنکھوں میں سنورنا تیرا
اور اِس طرح سے دنیا سے گذرنا تیرا | زندگی جس پہ ہو صدقے وہ ہے مرنا تیرا

مرنے والوں کو یہاں بھائی بہن روتے ہیں

موت تیری ہو کہ سب اہلِ وطن روتے ہیں

بڑھ گئی شومیِ قسمت کی سیاہی افسوس | اُگئی شہر کے بیڑے پہ تباہی افسوس
مٹ گئی عالمِ اخبار کی شاہی افسوس | اُٹھ گیا قوم کے لشکر کا سپاہی افسوس

کون میدانِ سیاست مین کمر باندھے گا
قوم کے واسطے سینہ پہ سپر باندھے گا

درد مندی ہوئی پیدا تری رحمت کے لیے — دل محبت کے لیے آنکھ مروت کے لیے
خلق خالق نے کیا تھا تجھے خدمت کے لیے — لی تھی برسون سے فقیری اسی دولت کے لیے

دل ترا ثروتِ دُنیا سے نہ دمساز رہا
قوم کے در کی گدائی پہ تجھے ناز رہا

ہائے وہ دن کہ ترے گھر کا اُجالا نہ رہا — مان کا دنیا مین نشان گود کا پالا نہ رہا
درد مین دُکھ مین کوئی پوچھنے والا نہ رہا — زہر جینا ہوا امرت کا پیالا نہ رہا

بے خبر تب بھی وطن سے دلِ ناشاد نہ تھا
قوم کے غم سے زیادہ غمِ اولاد نہ تھا

قوم کرتی تھی فقط تیری زبان سے فریاد — بحث و تحریک کے میدان مین قلم تھا آزاد
تیرے اخبار دلائین گے ترے جوش کی یاد — دل کے ٹکڑے ہین یہی اور یہی تیری اولاد

ہون خبردار ترا عشق جتانے والے
اِن یتیمون سے ترا نام چلانے والے

جب زمانہ مین ترے اوج کی نوبت آئی — زندگی ختم ہوئی موت کی ساعت آئی
کام کچھ بھی نہ جوانی کی ریاضت آئی — صبح پیری نہین آئی کہ قیامت آئی

روشنی جس کی تھی ہر سو وہ ستارا ڈوبا
مٹ گئی شامِ اودھ قوم کا تارا ڈوبا

نہ ستایش کی تمنا نہ شکایت کا ہراس
رہنما منزلِ ہستی مین فقط قوم کا پاس
ملک کے عیش سے خوش ملک کے صدمے سے اداس
زندگی تیری تھی مردانِ خدا کا سنیاس

لوگ کہتے ہین جسے شانِ عبادت کیا ہے
خدمتِ قوم نہین ہے تو ریاضت کیا ہے

اپنی آنکھون مین سمائی ہے تری موت کی رات
چرخ سے آئے ہین دیوتا کہ رشی کی ہے وفات
ذاتِ معبود سے ملنے ہی کو ہے تیری ذات
طے ہوا جاتا ہے اک آن مین دریاے نجات

عرش سے فرش پہ سامانِ سفر آیا ہے
چاند کشتی لیے گردون سے اُتر آیا ہے

یون تو دنیا مین ہمیشہ سے ہے مرنے کا چلن
اپنے بچون کو نگلتی ہے زمین کی ناگن
داغ دیتا ہے مگر جب کوئی دل سوزِ وطن
اس کے صدمے سے لرزتا ہے ایوانِ کہن

چاندنی رات مین جس وقت ہوا آتی ہے
قوم کے دل کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے

یون ہی دنیا مین تجھے اہلِ نظر روتے ہین
آنکھ مین اشک نہ ہو قلب و جگر روتے ہین
آدمی کیا ہین شجر او حجر روتے ہین
پھول شبنم کی طرح شام و سحر روتے ہین

جس کو انسان بُھلا دے وہ آزار نہیں
یہ ہے وہ زخم جو مرہم کا طلبگار نہیں

اقبال نرائن مسلہ دان

سنہ ۱۹۱۶ء

ابھی تازہ دلوں میں اس حبیب قوم کا غم تھا
اجل سے جس کی اس بستی میں ویرانہ کا عالم تھا
جگر پر لکھنؤ کے یہ اکیلا داغ کیا کم تھا
خبر کس کو یہ تھی نزدیک تیرا روز ماتم تھا

محبت جس سے تھی جس کو ہمیشہ پیشوا سمجھا
اجل کے راستہ میں بھی اسی کو رہنما سمجھا

نہیں ہٹتی نگاہوں سے تری تصویر نورانی
وہ چشم بامروت وہ کشادہ لوح پیشانی
ہنسی کا سحر لب پر گفتگو کا طرز لاثانی
نہ ابرو پر شکن لائی کبھی دل کی پریشانی

ابھی کچھ رات باقی ہے یہ قدرت کا اشارا تھا
جھلکتا دور ہی سے صبح پیری کا ستارا تھا

سبق سیکھا نہ تھا فطرت نے تیری خود نمائی کا
لب خاموش کو دعویٰ نہ تھا رنگین نوائی کا
نہ عادت خود پرستی کی نہ سودا پیشوائی کا
چمکتا تھا مگر جوہر طبیعت کی صفائی کا

حلاوت تھی وطن اور قوم کی خدمت سے جینے میں
امانت تھی خدا کی اک دلِ پُر درد سینے میں

ترے خلق و مروت کی بھلائیں یاد کیونکر ہم — خلش رکھنے کو سینے میں چھپائے ہیں یہ نشتر ہم
جو قائم تھا ترے دم سے وہ شیرازہ ہوا برہم — ترا لطفِ سخن تھا اُن کے زخموں کے لیے مرہم

پیامِ صلح دینا شکوۂ احباب سُن لینا
ترا شیوہ رہا کانٹوں سے بچ کر پھول چُن لینا

بہت بگڑا ہوا ہے رنگ دنیا کی رفاقت کا — کہیں عشقِ مراتب ہے کہیں ہے رعبِ دولت کا
وفا بدنام ہے بازار کھوٹا ہے محبت کا — مگر اس داغ سے خالی تھا سکہ تیری الفت کا

یہ رتبہ آدمی کے واسطے دنیا میں کیا کم ہے
عزیزوں سے زیادہ دوستوں میں تیرا ماتم ہے

جگہ خالی ہے تیری محفل پہ سناٹا سا ہے طاری — رُلاتی ہے لہو احباب کو یادِ وفاداری
مگر سب سے زیادہ زخم اُس بلبل کا ہے کاری — جو اپنی زندگی سمجھا ہوا تھا تیری غمخواری

لبِ مایوس پر اُس کے یہ حسرت کا ترانہ ہے
"وہ کوئی آگے روانہ ہے کوئی پیچھے روانہ ہے"

نہ دولت یاد آتی ہے نہ غم ہوتا ہے ثروت کا — جسے دیتی ہے دنیا ہے وہ جوہر آدمیت کا
مآلِ زندگی ہے لاش پر آنسو محبت کا — دعائے خیر مرنے پر صلہ ہے حسنِ خدمت کا

سفر اس روح کا بھی طے ہو رحمت کے اجالے مین
"خدا بخشے بہت سی خوبیان تھین مرنے والے مین"

نشتر یاس [عہ]

سنہ ۱۹۱۵ء

نہ اعتبار سہی اس حیاتِ فانی کا — مگر امید سے ہے لطف زندگانی کا
پیام مرگ ہے غم یاسِ جاودانی کا — شباب روح کا ہے حوصلہ جوانی کا
بشر کا دل نہ ہو زندہ تو آب و گل کیا ہے
فقط طلسم امیدون کا ہے یہ دل کیا ہے

شہید یاس چلا دل پہ تیر کون خدنگ — تڑپ کے خاک ہوئی دل مین کچ ن دل کی امنگ
کہ جس سے رنگ طبیعت کا ہو گیا بیرنگ — ہوا ترانۂ ہستی کا ساز بے آہنگ
بنا حیات کا ارمان آبلہ دل کا
لٹا شباب کی منزل مین قافلہ دل کا

عہ مصنف کے ایک نوجوان عزیز نے جس کا نام تیج نرائن چک بست تھا عالم جنون مین خودکشی کر لی تھی - اس کی وفات پر یہ نظم لکھی گئی تھی -

کھُلا نہ راز طبیعت کی بے قراری کا
زبان کو پاس رہا دل کی پردہ داری کا
جنون میں ہوش رہا ضبط آہ وزاری کا
نشان طبیب نے پایا نہ زخم کاری کا

کسی نے بھی نہ طبیعت کا یہ فسون سمجھا
کوئی سنک کوئی سودا کوئی جنون سمجھا

زبان کی طرح ہی رگ رگ سے یہ صدا جاری
طبیب کھو نہ سکا زندگی کی بیماری
ہے تیری نعش پہ بھی عالمِ جنون طاری
کفن پہ چار طرف ہے لہو سے گل کاری

ستم کشون کے لیے طرفہ یادگار ہے یہ
ترے شباب کی بس آخری بہار ہے یہ

جب اپنی جا سے اُبلتا ہے چشمۂ کہسار
قدم قدم پہ دکھاتا ہے جوش کی رفتار
مگر جو راہ مین حائل ہو پتھرون کا فشار
تو یون بکھرتا ہی قطرون مین جیسے اشک کا تار

شباب یون ہی لُٹا ہے کسی کے بسمل کا
ستم ہے جوش جوانی مین ٹوٹنا دل کا

دعائین دیتے تھے جس گود مین کھلا کے تجھے
اُسی مین آج سُلایا کفن پہنا کے تجھے
گنا ہگار ہوے لکھنؤ مین لا کے تجھے
خموش بیٹھے ہین اب خاک مین ملا کے تجھے

دعا کا غم نہ دوا کی ہے جستجو باقی
جو دل مین ہے تو ہی مرنے کی آرزو باقی

جو دل کو توڑ دے وہ ماتم شباب ہے یہ
جو اپنی جان پہ رہتا ہے وہ عتاب ہے یہ
جو عمر بھر رہے وہ بیکسی کا خواب ہے یہ
کسی غریب کی ہستی کا انقلاب ہے یہ

جو دل میں درد محبت تھا آج داغ ہوا
چتا کی آگ سے روشن یہی چراغ ہوا

جہان میں دیکھے ہیں ایسے بھی خوش نصیب شجر
سدا بہار رہے ہیں جو گلشن سے پھول کر پھل کر
نظر سے گذرے ہیں ایسے بھی نخل بار آور
جو سوکھ جاتے ہیں فصل بہار میں اکثر

مگر بہار و خزان تھی نہ اس شجر کے لیے
زمین سے اس نے اُٹھایا تھا سر تبر کے لیے

ماتمِ یاس[ع]

سنہ ۱۹۱۱ء

اے جوانی کے مسافر اے اجل کے میہمان
سو گیا تو سنتے سنتے زندگی کی داستان
تھک کے نیند آئی ہی ہوتا ہی یہ چتون سے عیان
نیم باز آنکھوں مین ہی کیفیتِ خوابِ گران

کارِ دُنیا سے کوئی یون بے خبر ہوتا نہین
رات بھر جاگا ہوا دولھا بھی یون سوتا نہین

صبح کا تارا بھی چمکا ہو گیا دن آشکار
تیرے چہرے سے مگر سرکی نہ چادر زینہار
دیکھ لے اُٹھ کر ذرا اپنی جوانی کی بہار
سُن تو کیا کہتی ہی ماں شانہ ہلا کر بار بار

یہ کفن ہرگز نہین تیرے پہنانے کے لیے
لائی ہون خلعت تجھے دولھا بنانے کے لیے

محفلِ احباب مین ماتم ہی تو ہی مستِ خواب
کچھ خبر ہی آج کس کس کی ہوئی مٹی خراب
آخری تسلیم کے مشتاق ہین کچھ دے جواب
پھر نظر آئے گی کا ہے کو یہ تصویرِ شباب

ہنسکے ہر اک بات پر وہ جنبشِ ابرو کہان
اک نظر پھر دیکھ لے اب ہم کہان اور تو کہان

ع مصنف کے ایک ہونہار اور جوان مرگ عزیز پنڈت اجودھیا ناتھ آغہ کی وفات پر یہ نوحہ تصنیف ہوا تھا۔

اے محبت کے فرشتے اے وفا کے آفتاب　　تیرے سینے مین صفا تھی جیسے آئینہ مین آب
واسطے دشمن کے بھی لایا نہ تو دل مین عتاب　　آج کیون آتا ہی تجھ کو بھائی بہنون سے حجاب

آج تو سنتا کسی کی گریہ وزاری نہین
او عدم کے جانے والے یہ وفاداری نہین

مان کو رونا ہی کہ جاتا ہی تو جا مل کر گلے　　بھائی کہتا ہی رہونگا کس کی چھاتی کے تلے
کہتی ہین بہنین کہان منھ موڑ کر بھائی چلے　　دھیان کچھ بہن کا بھی ہی جس کو دین ہم تم پلے

کچھ سہارا چاہیے اہل محن کے واسطے
بھائی کی دھارس بڑی شے ہی بہن کے واسطے

تیری بالین پر کھڑا ہی اور بھی اک سوگوار　　وہ عزیزون سے سوا تیرا انیس و غمگسار
چھوڑ کر گھر بار تجھ پر جان کی اپنی نثار　　یہ محبت کا فسانہ بھی رہے گا یادگار

گو کہ باقی اب دلون مین جذبۂ عالی نہین
پاک روحون سے مگر دنیا ابھی خالی نہین

اس شہید یاس کا صدمہ عیان ہوتا نہین　　آہ وہ کرتا نہین اشکون سے منھ دھوتا نہین
جان تمگین نالہ و فریاد سے کھوتا نہین　　کیا قیامت ہے کہ سب روتے ہین وہ روتا نہین

نالہ و فریاد اس کے زخم کا مرہم نہین
چار آنسو کا جو ہو محتاج یہ وہ غم نہین

یہ وہ لغزشہا ہی جو روتے ہین ترے پس ماندگان ‏ ‏ ہے دلِ ناشاد کو کچھ اور ہی رونا یہان
یاد کرکے ان کو روتی ہے یہ چشم خون فشان ‏ ‏ تیری پیشانی پہ دیکھے تھے جو عظمت کے نشان

تو مرا کیا قوم کا تیری مقدر پھر گیا
ایک موتی اور دامن سے ہمارے گر گیا

وہ ادب وہ علم وہ تہذیب اور وہ انکسار ‏ ‏ زندگی تیری تھی ہمچشمون مین اپنے یادگار
زیورِ اخلاق تھا تیری جوانی کا سنگار ‏ ‏ جب تلک زندہ رہا یکسان رہا تیرا شعار

خدمتِ انسان و یادِ کبریا ہوتی رہی
دِل کے آئینہ پہ مذہب کی جلا ہوتی رہی

تو نے جس دم دنیا مین کھولی آنکھ اے نقش فنا ‏ ‏ کچھ موافق تھی نہ تیرے واسطے اُس کی ہوا
فیض قدرت نے مگر جوہر کیے ایسے عطا ‏ ‏ باعث حیرت ہوئی دل کو تری نشو و نما

مین یہ کہتا تھا کہ خاکستر سے آئینہ ملا
نور تاریکی مین ویرانے مین گنجینہ ملا

یہ تمنا تھی یہ آئینہ جلا پائے گا اب ‏ ‏ پھیل کر یہ نور بزمِ قوم تک آئے گا اب
علم کا افلاس ہی دولت سے مٹ جائے گا اب ‏ ‏ جانتا تھا کون گردون یہ ستم ڈھائے گا اب

آئینہ ٹوٹا نظر سے نورِ ہستی کھو گیا
یہ خزانہ قوم کی قسمت سے مٹی ہو گیا

اس دلِ ناشاد مین کچھ حسرتون کے ہین مزار — اور اک چھوٹی سی تربت ہوگی تیری یادگار

پھول جب گلزار مین لائین گے پیغامِ بہار — یاد کرکے تجھ کو یون روئے گا تیرا سوگوار

"کھِل کے گل کچھ تو بہارِ جانفزا دکھلا گئے

حسرت اُن غنچون پہ ہے جو بِن کھلے مرجھا گئے"

تیری ہستی تھی اگر دنیا چہ اندوہ و غم — عالمِ فانی مین رکھا کس لیے تو نے قدم

اُن پہ حسرت ہے جو یون دیتے ہین غمگینون کو دم — خواب یہ دنیا ہے یان کیسی خوشی کیسا الم

انتظامِ دہر مین آخر ہے پھر تدبیر کیا

خواب دنیا ہے تو ہے اس خواب کی تعبیر کیا

حصہ چہارم

مذہب شاعرانہ

سنہ ۱۹۰۵ء

کہتے ہیں جسے ابر وہ میخانہ ہے میرا
جو پھول کھلا باغ میں پیمانہ ہے میرا

کیفیتِ گلشن ہی مرے نشہ کا عالم
کوئل کی صدا نعرۂ مستانہ ہے میرا

پیتا ہوں وہ مے نشہ اترتا نہیں جس کا
خالی نہیں ہوتا ہے وہ پیمانہ ہے میرا

دریا مرا آئینہ ہے لہریں مرے گیسو
اور موج نسیم سحری شانہ ہے میرا

ہر ذرۂ خاکی ہے مرا مونس ہمدم
دنیا جسے کہتے ہیں وہ کاشانہ ہے میرا

جس جا ہو خوشی ہو وہ مجھے منزل راحت
جس گھر میں ہو ماتم وہ عزاخانہ ہے میرا

جس گوشۂ دنیا میں پرستش ہو وفا کی
کعبہ ہے وہی اور وہی بتخانہ ہے میرا

میں دوست بھی اپنا ہوں عدو بھی ہوں میں اپنا
اپنا ہے کوئی اور نہ بیگانہ ہے میرا

عاشق بھی ہوں معشوق بھی یہ طرفہ مزا ہے
دیوانہ ہوں میں جس کا وہ دیوانہ ہے میرا

خاموشی میں یاں رہتا ہے تقریر کا عالم
میرے لب خاموش پہ افسانہ ہے میرا

کہتے ہیں خودی کس کو خدا نام ہے کس کا
دنیا میں فقط جلوہ جانانہ ہے میرا

ملتا نہین ہر ایک کو وہ نور ہے مجھ مین
جو صاحب بینش ہو وہ پروانہ ہے میرا

شاعر کا سخن کم نہین مجذوب کی بڑ سے
ہر ایک نہ سمجھے گا وہ افسانہ ہے میرا

سنہ ۱۹۱۷ء

فنا نہین ہو محبت کے رنگ و بو کے لیے
بہارِ عالمِ فانی رہے رہے نہ رہے

جنونِ حبِّ وطن کا مزا شباب مین ہے
لہو مین پھر یہ روانی رہے رہے نہ رہے

رہے گی آب و ہوا مین خیال کی بجلی
یہ مشت خاک ہے فانی رہے رہے نہ رہے

جو دل مین زخم لگے ہین وہ خود پکارین گے
زبان کی سیف بیانی رہے رہے نہ رہے

مٹا رہا ہے زمانہ وطن کے مندر کو
یہ مر مٹون کی نشانی رہے رہے نہ رہے

دلون مین آگ لگے یہ وفا کا جوہر ہے
یہ جمع خرچ زبانی رہے رہے نہ رہے

جو مانگنا ہے ابھی مانگ لو وطن کے لیے
یہ آرزو کی جوانی رہے رہے نہ رہے

سنہ ۱۹۱۷ء

مٹنے والون کو وفا کا یہ سبق یاد رہے | بیڑیان پیر مین ہون اور دل آزاد رہے

ایک ساغر بھی عنایت نہ ہوا یاد رہے | ساقیا جاتے ہین محفل تری آباد رہے

دل وہ دل ہی جو سدا ضبط سے ناشاد رہے | لب وہ لب ہی جو نہ شرمندۂ فریاد رہے

خوشنوائی کا سبق مین نے قفس مین سیکھا | کیا کہون اور سلامت مرا صیاد رہے

تار بگڑا ہوا ہی دل کا سنبھالون کب تک | لے کی پابند کہان تک مری فریاد رہے

آپ سے ہم سے ہوا تھا کبھی پیمانِ وفا | کیجیے ظلم مگر وہ بھی گھڑی یاد رہے

باغبان دل کا وطن کو یہ دعا دیتا ہے | مین رہون یا نہ رہون یہ چمن آباد رہے

مجھ کو مل جائے چہکنے کے لیے شاخ مری | کون کہتا ہے کہ گلشن مین نہ صیاد رہے

جذبۂ قوم سے خالی نہ ہو سودائے شباب | وہ جوانی ہی جو اس شوق مین برباد رہے

حکم مالی کا یہ ہو پھول نہ ہنسنے پائین | چپ رہے باغ مین کوئل اگر آزاد رہے

باغ مین لے کے جنم ہم نے اسیری جھیلی | ہم سے اچھے رہے جنگل مین جو آزاد رہے

دم سے گاندھی کے رہے شور وفا بستی مین
قیس جنگل مین رہے کوہ پہ فرہاد رہے

سنہ ۱۹۱۷ع

زبان کو بند کرین یا مجھے اسیر کرین — مرے خیال کو بیڑی پنہا نہین سکتے
یہ کیسی بزم ہی اور کیسے اِس کے ساقی ہین — شراب ہاتھ مین ہی اور پلا نہین سکتے
یہ بیکسی بھی عجب بیکسی ہے دُنیا مین — کوئی ستائے ہمین ہم ستا نہین سکتے
کشش وفا کی اُنھین کھینچ لائی آخر کار — یہ تھا رقیب کو دعویٰ وہ آ نہین سکتے
جو تو کہے تو شکایت کا ذکر کم کر دین — مگر یقین ترے وعدون پہ لا نہین سکتے

چراغ قوم کا روشن ہی عرش پر دل کے
اِسے ہوا کے فرشتے بُجھا نہین سکتے

کبھی تھا ناز زمانہ کو اپنے ہند پہ بھی — پر اب عروج وہ علم و کمال و فن مین نہین
رگون مین خون وہی ہی دل وہی جگر ہے وہی — وہی زبان ہے مگر وہ اثر سخن مین نہین
وہی ہے بزم وہی شمع ہی وہی فانوس — فدائے بزم وہ پروانے انجمن مین نہین
وہی ہوا وہی کوئل وہی پپیہا ہے — وہی چمن ہی یہ وہ باغبان چمن مین نہین
غرور و جہل نے ہندوستان کو لوٹ لیا — بجز نفاق کے اب خاک بھی وطن مین نہین

ع۔ مسٹر مانٹیگو وزیر ہند۔

سنہ ۱۹۱۷ء

کسے معلوم ہے کیا رنگ بدلے اب فغان اپنی
خدا حافظ ہے دِل کا بند ہوتی ہے زبان اپنی

وفاداروں پہ بھی الزام ہے اب بدزبانی کا
ستمگر سُن نہین سکتا ہے شاید داستان اپنی

کہین تو کیا کہین یا چُپ رہین مظلوم حیران ہین
بیان کرتے ہین وہ اپنی زبان سے خوبیان اپنی

فریبِ زندگی جس نے نہ دیکھا ہو مجھے دیکھے
نہ سینے مین ہے دل اپنا نہ منھ مین ہو زبان اپنی

صلہ دیتا ہے یہ میرا گریبان چاک ہونے پر
ہزارون پیرہن پیدا کرین گی دھجّیان اپنی

ہزارون آرزوئین داغ بنکر دل مین پنہان ہین
کہ جن کا نام لینے سے لرزتی ہے زبان اپنی

نہ بدلی ہے نہ بدلے گی ترنگ اپنی طبیعت کی
دکھائے گا کہان تک آسمان نیرنگیان اپنی

سنہ ۱۹۱۷ء

گرد مین خم ہین ندامت سے دل آزارون کی[۱] — رہ گئی بات زمانہ مین وفادارون کی

قاضیِ وقت نے برسات مین توبہ توڑی — رند آزاد ہوئے عید ہوئی میخوارون کی

قید سے چھوٹ کے آئے ہین وفا کے یوسف — سرِ بازار ہے کیا بھیڑ خریدارون کی

بیگناہون کا تو انصاف ہوا دنیا مین — اب ہمین دیکھنی ہے شرم گنہگارون کی

بیڑیان کٹ گئے گرین خاک کے پتلے کی بھی آج — روح آزاد تھی پہلے ہی گرفتارون کی

دل مین اس طرح سے ارمان ہین آزادی کے — جیسے گنگا مین جھلکتی ہی چمک تارون کی

سنہ ۱۹۱۶ء

اذان[۲] سے نعرۂ ناقوس پیدا ہو نہین سکتا
ابھی کچھ روز تک کعبہ کلیسا ہو نہین سکتا

زبان سے جوش قومی دل مین پیدا ہو نہین سکتا
اُبلنے سے کنوان وسعت مین دریا ہو نہین سکتا

بہت پنہان رہی دل مین خلش خار تعصب کی
مگر اب امتحان کے وقت پردا ہو نہین سکتا

ع۱ یہ نظم مسز بسنت کی نظر بندی کا حکم منسوخ ہونے کے زمانہ مین تصنیف کی گئی تھی
ع۲ یہ نظم میونسپلٹی کے قوانین کی ترتیب کے وقت تصنیف کی گئی تھی ۔

جُدا سینے سے دل ہو دست و بازو قوم کے شل ہون
مگر دل سے جدا دم بھر یہ کانٹا ہو نہین سکتا

گران ہے جنس اور نیت خریدارون کی ابتر ہے
اب اس بازار مین الفت کا سودا ہو نہین سکتا

جسے ہے فکر مرہم کی اُسے قاتل سمجھتے ہین
الٰہی خیر ہو یہ زخم اچھا ہو نہین سکتا

کمالِ بُزدلی ہے لیست ہونا اپنی آنکھون مین
اگر تھوڑی سی ہمت ہو تو پھر کیا ہو نہین سکتا

اُبھرنے ہی نہین دیتی یہان بے مائگی دل کی
نہین تو کون قطرہ ہے جو دریا ہو نہین سکتا

محبت ہے مجھے کوئل کے درد انگیز نالون سے
چمن مین جا کے مین پھولون کا شیدا ہو نہین سکتا

دل پہ اُلجھا کے ہی داغِ محبت باقی — رہ گئی اک یہی دنیا مین نشانی میری

سنہ ۱۹۱۵ء

فسانہ ہو گئے آزار دشمن کی بُرائی کے
لگے وہ زخم دل پر دوستون کی بیوفائی کے
بڑون سے بھی یہان برتاؤ رکھے ہین بھلائی کے
بنایا با وفا اِس دل کو صدقے بے وفائی کے
زمانہ کی محبت پر نہ ہو اے ہمنشین نازان
سُنائین گے تجھے فرصت سے قصے آشنائی کے
یہ وہ غم ہے کہ جس کی پرورش دل خوب کرتا ہے
زبان تک لا نہین سکتا ہون شکوے بیوفائی کے
جلادی دل کو میرے قلبِ دشمن کی سیاہی نے
کدورت وان بڑھی اور یان کھُلے جوہر صفائی کے
در تدبیر پر سر پھوڑنا شیوہ رہا اپنا
وسیلے ہاتھ ہی آئے نہ قسمت آزمائی کے
نئی تہذیب کے صدقے نہ شرمانے دیا دل کو
رہے منطق کے پردے مین کرشمے بیحیائی کے

سنہ ۱۹۱۵ء

اگر درد محبت سے نہ انسان آشنا ہوتا
نہ مرنے کا ستم ہوتا نہ جینے کا مزا ہوتا

بہارِ گل مین دیوانون کا صحرا مین پڑا ہوتا
جدھر اُٹھتی نظر کوسون تلک جنگل ہرا ہوتا

مئے گل رنگ لٹتی یون درِ میخانہ وا ہوتا
نہ پینے مین کمی ہوتی نہ ساقی سے گلا ہوتا

ہزارون جان دیتے ہین بتون کی بیوفائی پر
اگر ان مین سے کوئی باوفا ہوتا تو کیا ہوتا

رُلایا اہلِ محفل کو نگاہِ یاس نے میری
قیامت تھی جو اک قطرہ ان آنکھون سے جدا ہوتا

خدا کو بھول کر انسان کے دل کا یہ عالم ہے
یہ آئینہ اگر صورت نما ہوتا تو کیا ہوتا

اگر دم بھر بھی مٹ جاتی خلش خارِ تمنا کی
دلِ حسرت طلب کو اپنی ہستی سے گلا ہوتا

ہوس جینے کی ہے یون عمر کے بیکار کٹنے پر
جو ہم سے زندگی کا حق ادا ہوتا تو کیا ہوتا

یہ مانا بے حجابانہ نگاہین قہر کرتی ہین
مگر حسنِ حیا پرور کا عالم دوسرا ہوتا

زبان کے زور پر ہنگامہ آرائی سے کیا حاصل
وطن مین ایک دل ہوتا مگر درد آشنا ہوتا

نو گرفتارِ بلا ہون کچھ کہا جاتا نہین
نالہ کرنا بھی مجھے اے ہمنشین آتا نہین

مردِ قانع کو نہین رہتی گدائی کی ہوس
پانون پھیلا کر جو بیٹھا ہاتھ پھیلاتا نہین

مردِ میدانِ محبت زندۂ جاوید ہین
موت آجانے سے تو انسان مر جاتا نہین

سنہ ۱۹۱۵ء

خدمتِ انسان سے دل کو آشنا کرتے رہے
دل کے آئینہ پہ الفت کی جلا کرتے رہے

دوستی مین اپنا اپنا حق ادا کرتے رہے
وہ جفا کرتے رہے اور ہم وفا کرتے رہے

کیا کہین کس سے کہین دنیا مین کیا کرتے رہے
بد عتین ہوتی رہین شکرِ خدا کرتے رہے

اہل ہمت منزلِ مقصود تک آہی گئے
بندۂ تقدیر قسمت سے گلا کرتے رہے

سنہ ۱۹۱۵ء

جہان مین آنکھ جو کھولی فنا کو بھول گئے
کچھ ابتدا ہی مین ہم انتہا کو بھول گئے

نفاق گبر و مسلمان کا یون مٹا آخر
یہ بُت کو بھول گئے وہ خدا کو بھول گئے

ہُوا مزاج کا عالم یہ سیر یورپ سے
کہ اپنے ملک کی آب و ہوا کو بھول گئے

زمین لرزتی ہے بہتے ہین خون کے دریا
خودی کے جوش مین بندے خدا کو بھول گئے

یہ انقلاب ہوا عالمِ اسیری مین
قفس مین رہ کے ہم اپنی صدا کو بھول گئے

جذبۂ شوق کی تاثیر دکھا دیتے ہین
ہم وہ پیاسے ہین کہ دریا کو بلا لیتے ہین

سنہ ١٩١٠ء

فنا کا ہوش آنا زندگی کا دردِ سر جانا
اجل کیا ہے خمارِ بادۂ ہستی اُتر جانا

عزیزانِ وطن کو غنچہ و برگ و ثمر جانا
خدا کو باغبان اور قوم کو ہمنے شجر جانا

کرشمہ یہ بھی ہے اے بیخبر افلاسِ قومی کا
تلاشِ رزق مین اہلِ ہنر کا دربدر جانا

اجل کی نیند مین بھی خوابِ ہستی گر نظر آیا
تو پھر سمجھا یہی تنگ آکے اس دنیا سے مر جانا

وہ سودا زندگی کا ہی کہ غم انسان سہتا ہی
نہین تو ہی بہت آسان اس جینے سے مر جانا

چمن زارِ محبت مین اُسی نے باغبانی کی
کہ جسنے اپنی محنت ہی کو محنت کا ثمر جانا

سدھاری منزلِ ہستی سے کس بے اعتنائی سے
تنِ خاکی کو شاید روح نے گردِ سفر جانا

سنہ ١٩١١ء

کچھ ایسا پاسِ غیرت اُٹھ گیا اس عہدِ پرفن مین
کہ زیور ہو گیا طوقِ غلامی اپنی گردن مین

شجر سکتے مین ہین خاموش ہین بلبل نشیمن مین
سدھارا قافلہ پھولون کا سناٹا ہی گلشن مین

گران تھی دھوپ اور شبنم بھی جن پودونکو گلشن مین
تری قدرت سے وہ پودے پھلے صحرا کے دامن مین

ہوائے تازہ دل کو خود بخود بے چین کرتی ہی
قفس مین کہہ گیا کوئی بہار آئی ہی گلشن مین

مٹانا تھا اسے بھی جذبۂ شوقِ فنا تجھ کو
نشانِ قبرِ مجنون داغ ہی صحرا کے دامن مین

زمانہ مین نہین اہلِ ہنر کا قدردان باقی
نہین تو سیکڑون موتی ہین اس دریا کے دامن مین

یہان تسبیح کا حلقہ وہان زنّار کا پھندا
اسیری لازمی ہی مذہبِ شیخ و برہمن مین

جنھین سینچا تھا خونِ دل سے اگلے باغبانون نے
ترستے ہین پانی کو وہ پودے میرے گلشن مین

دکھایا معجزہ حسنِ بشر کا دستِ قدرت نے
بھری تاثیر تصویر گلی کے رنگ و روغن مین

شہیدِ یاس ہون رسوا ہون ناکامی کے ہاتھون سے
جگر کا چاک بڑھ کر آگیا ہی میرے دامن مین

جہان مین رہ کے یون قایم ہون اپنی بےثباتی پر
کہ جیسے عکسِ گل رہتا ہی آبِ جوئے گلشن مین

شرابِ حسن کو کچھ اور ہی تاثیر دیتا ہے
جوانی کی نمو سے بے خبر ہونا لڑکپن مین

شباب آیا ہی پیدا رنگ ہے رخسارِ نازک سے
فروغِ حسن کہتا ہی سحر ہوتی ہی گلشن مین

نہین ہوتا ہی محتاجِ نمایش فیض شبنم کا
اندھیری رات مین موتی لٹا جاتی ہی گلشن مین

متاعِ دردِ دل اک دولتِ بیدار ہی مجھ کو
درِ شہوار ہین اشکِ محبت میرے دامن مین

نہ بتلائی کسی نے بھی حقیقت رازِ ہستی کی
بتون سے جا کے سر پھوڑا بہت دیرِ برہمن مین

پرانی کاوشین دیر و حرم کی مٹتی جاتی ہین
نئی تہذیب کے جھگڑے ہین اب شیخ و برہمن مین

اڑا کر لے گئی بادِ خزان اس سال اس کو بھی
رہا تھا ایک برگِ زرد باقی میرے گلشن مین

وطن کی خاک سے مر کر بھی ہم کو انس باقی ہی
مزا دامانِ مادر کا ہی اس مٹی کے دامن مین

سنہ ۱۹۱۲ء

نہ کوئی دوست دشمن ہے شریکِ درد وغم میرا
سلامت میری گردن پر رہے بارِ الم میرا

بہار آئی ترقی پر ہے سودا دم بدم میرا
بڑھا جاتا ہے خود زنجیر کی جانب قدم میرا

لکھا یہ داورِ محشر نے میری فردِ عصیاں پر
یہ وہ بندہ ہے جس پر ناز کرتا ہے کرم میرا

کہا غنچہ نے ہنس کر واہ کیا نیرنگِ عالم ہے
وجودِ گل جسے سمجھے ہیں سب ہے وہ عدم میرا

کشاکش ہے امید و یاس کی یہ زندگی کیا ہے
الٰہی ایسی ہستی سے تو اچھا تھا عدم میرا

اگر کون و مکاں اک شعبدہ تھا اس کی قدرت کا
تو اس دنیا میں آخر کس لیے آیا قدم میرا

دلِ احباب میں گھر ہے شگفتہ رہتی ہے خاطر
یہی جنت ہے میری اور یہی باغِ ارم میرا

مجھے احباب کی پرسش کی غیرت مار ڈالے گی
قیامت ہے اگر افشا ہوا رازِ الم میرا

کھڑی تھیں راستہ روکے ہوئے لاکھوں تمنائیں
شہیدِ یاس ہوں نکلا ہے کس مشکل سے دم میرا

رہی ہے ایک ترکِ آرزو کی آرزو باقی
اسی پر ختم ہے افسانۂ درد و الم میرا

خدا نے علم بخشا ہے ادب احباب کرتے ہیں
یہی دولت ہے میری اور یہی جاہ و حشم میرا

صدا آتی ہے میرے دل کے ویرانے سے اتوں کو
وہ بیٹھا ہوں کہ اک گوشہ ہے صحرائے عدم میرا

زبانِ حال سے یہ لکھنؤ کی خاک کہتی ہے
مٹایا گردشِ افلاک نے جاہ و حشم میرا

کیا ہے فاش پردہ کفر و دیں کا اس قدر میں نے
کہ دشمن ہے برہمن اور عدو شیخِ حرم میرا

سنہ ١٩١٢ء

دل کیے تسخیر بخشا فیضِ روحانی مجھے
حبِّ قومی ہو گیا نقشِ سلیمانی مجھے

منزلِ عبرت ہے دنیا اہلِ دنیا شاد ہین
ایسی دلجمعی سے ہوتی ہے پریشانی مجھے

جانچتا ہون وسعتِ دل حملۂ غم کے لیے
امتحان ہے رنج و حرمان کی فراوانی مجھے

حق پرستی کی جو مین نے بت پرستی چھوڑ کر
برہمن کہنے لگا الحاد کا بانی مجھے

کلفتِ دنیا مٹے بھی تو سخی کے فیض سے
ہاتھ دھونے کو ملے بہتا ہوا پانی مجھے

خود پرستی مٹ گئی قدرِ محبت بڑھ گئی
ماتمِ احباب ہے تعلیمِ روحانی مجھے

قوم کا غم مول لے کر دل کا یہ عالم ہوا
یاد بھی آتی نہین اپنی پریشانی مجھے

ذرہ ذرہ ہے مرے کشمیر کا مہمان نواز
راہ مین پتھر کے ٹکڑون نے دیا پانی مجھے

لکھنؤ مین پھر ہوئی آراستہ بزمِ سخن
بعد مدت پھر ہوا شوقِ غزلخوانی مجھے

سنہ ١٩١١ء

وردِ دل پاسِ وفا جذبۂ ایمان ہونا
آدمیت ہے یہی اور یہی انسان ہونا

تو گرفتارِ بلا طرزِ فغان کیا جانین
کوئی ناشاد سکھادے انھین نالان ہونا

چاک ہو کر کفنِ غنچہ بنا جامۂ گل
کھل گیا رنج سے شادی کا نمایان ہونا

رہ کے دنیا میں ہے یوں ترکِ ہوس کی کوشش
جس طرح اپنے ہی سایہ سے گریزاں ہونا

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے انھیں اجزا کا پریشاں ہونا

دفترِ حُسن پہ مہرِ یدِ قدرت سمجھو
پھول کا خاک کے تودہ سے نمایاں ہونا

دل اسیری میں بھی آزاد ہے آزادوں کا
ولولوں کے لیے ممکن نہیں زنداں ہونا

گُل کو پامال نہ کر لعل و گہر کے مالک
ہے اسے طرۂ دستارِ غریباں ہونا

ہے مرا ضبط جنوں جوشِ جنوں سے بڑھ کر
ننگ ہے میرے لیے چاکِ گریباں ہونا

قیدِ یوسف کو زلیخا نے کیا کچھ نہ کیا
دلِ یوسف کے لیے شرط تھا زنداں ہونا

سنہ ۱۹۱۱ء

دل ہی بُجھا ہوا ہو تو لطفِ بہار کیا
ساقی ہے کیا شراب ہے کیا سبزہ زار کیا

یہ دل کی تازگی ہے وہ دل کی فسردگی
اس گلشنِ جہاں کی خزاں کیا بہار کیا

کس کے فسونِ حسن کا دنیا طلسم ہے
ہیں لوحِ آسمان پہ یہ نقش و نگار کیا

اپنا نفس ہوا ہے گلوگیر وقتِ نزع
غیروں کا زندگی میں ہو پھر اعتبار کیا

دیکھا سرورِ بادۂ ہستی کا خاتمہ
اب دیکھیں رنگ لائے اجل کا خمار کیا

اب کی تو شامِ غم کی سیاہی کچھ اور ہے
منظور ہے تجھے مرے پروردگار کیا

دنیا سے لے چلا ہی جو تو حسرتون کا بوجھ | کافی نہین ہے سر پہ گناہون کا بار کیا
جس کی قفس مین آنکھ کھلی ہو مری طرح | اُس کے لیے چمن کی خزان کیا بہار کیا
کیسا ہوا ہے حرص مین برباد ہے بشر | سمجھا ہے زندگی کو یہ مشتِ غبار کیا
خلعت کفن کا ہم تو زمانہ سے لے چکے | اب ہے عروسِ مرگ تجھے انتظار کیا
بعدِ فنا فضول ہے نام ونشان کی فکر | جب ہم نہین رہے تو رہے گا مزار کیا
اعمال کا طلسم ہے نیرنگ زندگی | تقدیر کیا ہے گردش لیل ونہار کیا
چلتی ہے اس چمن مین ہوا انقلاب کی | شبنم کو آئے دامنِ گل مین قرار کیا
تفسیر حالِ زار ہی بس اک نگاہِ یاس | ہو داستان درد کا اور اختصار کیا
دونون کو ایک خاک سے نشو ونما ملی | لیکن ہوا ہے سر سے گل کیا ہے خار کیا
چھٹکی ہوئی ہے گورِ غریبان پہ چاندنی | ہے بیکسون کو فکر چراغ مزار کیا
کچھ گل نہان ہین پردۂ خاکِ چمن مین بھی | تازہ کرے گی اِن کو ہوائے بہار کیا
رحمت طلب کو درد کی لذت نہین نصیب | تلوون مین آبلے جو نہین لطفِ خار کیا
خاکِ وطن مین دامنِ مادر کا چین ہے | تنگی کنار کی ہے لحد کا فشار کیا

انسان کے بغض وجہل سے دنیا تباہ ہو
طوفان اُٹھا رہا ہے یہ مشتِ غبار کیا

دل ہی کی بدولت رنج بھی ہے دل ہی کی بدولت راحت بھی
یہ دنیا جس کو کہتے ہین ہے دوزخ بھی اور جنّت بھی

ارمان بھرے دل خاک ہوے اور موت کے طالب جیتے ہین
اندھیر ہے اِس دنیا کے ہین آتی ہے ہنسی بھی رقّت بھی

یا خوفِ خدا یا خوفِ سقر ہین دو ہی بیان تیرے واعظ
اللہ کے بندے دل مین تیرے ہے سوز و گدازِ محبت بھی

جب تک ہے جوانی کا عالم کیا عیش کی مستی رہتی ہے
جب پیری موت کی لائی خبر پھر زہد بھی ہے اور طاعت بھی

گرتے ہی زمین کے دامن مین اے طفل یہ رونا دھونا کیا
دنیا مین اگر تو آیا ہے یان رنج بھی ہے اور راحت بھی

سنہ ۱۹۱۲ء

نئے جھگڑے نرالی کاوشین ایجاد کرتے ہین
وطن کی آبرو اہلِ وطن برباد کرتے ہین

ہوا مین اُڑ کے سیرِ عالمِ ایجاد کرتے ہین
فرشتے دنگ ہین وہ کام آدمزاد کرتے ہین

نیا مسلک نیا رنگِ سخن ایجاد کرتے ہین
عروسِ شعر کو ہم قید سے آزاد کرتے ہین

مٹائے پاسِ غیرت بوالہوس بیداد کرتے ہین
لبِ خاموش کو شرمندۂ فریاد کرتے ہین

ہوائے تازہ پا کر بوستان کو یاد کرتے ہین
اسیران قفس وقتِ سحر فریاد کرتے ہین

ذرا اے کنجِ مرقد یاد رکھنا اس حمیت کو
کہ گھر ویران کر کے ہم تجھے آباد کرتے ہین

ہر اک خشتِ کہن افسانۂ دیرینہ کہتی ہے
زبانِ حال سے ٹوٹے کھنڈر فریاد کرتے ہین

بلائے جان ہین یہ تسبیح اور زنار کے پھندے
دلِ حق بین کو ہم اس قید سے آزاد کرتے ہین

اذان دیتے ہین بتخانہ مین جا کر شانِ مومن سے
حرم مین نعرۂ ناقوس ہم ایجاد کرتے ہین

نکل کر اپنے قالب سے نیا قالب بسائے گی
اسیری کے لیے ہم روح کو آزاد کرتے ہین

محبت کے چمن مین مجمعِ احباب رہتا ہے
نئی جنت اسی دنیا مین ہم آباد کرتے ہین

نہین گھٹتی مری آنکھون مین تاریکی شبِ غم کی
یہ تارے روشنی اپنی عبث برباد کرتے ہین

تھکے ماندے مسافر ظلمتِ شامِ غریبان مین
بہارِ جلوۂ صبحِ وطن کو یاد کرتے ہین

دلِ ناشاد روتا ہے زبان اُف کر نہین سکتی
کوئی سنتا نہین یون بینوا فریاد کرتے ہین

جنابِ شیخ کو یہ مشق ہے یادِ الٰہی کی
خبر ہوتی نہین دل کو زبان سے یاد کرتے ہین

نظر آتی ہے دنیا اک عبادت گاہِ نورانی
سحر کا وقت ہے بندے خدا کو یاد کرتے ہین

سبق عمرِ رواں کا دل نشین ہونے نہین پاتا
ہمیشہ بھولتے جاتے ہین جو کچھ یاد کرتے ہین

زمانہ کا معلم امتحان اِن کا نہین کرتا
جو آنکھین کھول کر یہ درسِ ہستی یاد کرتے ہین

ادب تعلیم کا جوہر ہے زیور ہے جوانی کا
وہی شاگرد ہین جو خدمتِ استاد کرتے ہین

نہ جانی قدر تیری عمرِ رفتہ ہم نے کالج مین
نکل آتے ہین آنسو اب تجھے جب یاد کرتے ہین

ع یہ غزل کیننگ کالج کے مشاعرہ مین پڑھی گئی تھی

دل ہی کی بدولت رنج بھی ہے دل ہی کی بدولت راحت بھی
یہ دنیا جس کو کہتے ہین ہے دوزخ بھی اور جنّت بھی

ارمان بھرے دل خاک ہوے اور موت کے طالب جیتے ہین
اندھیر ہے اس دنیا کے ہمین آتی ہے ہنسی بھی رقت بھی

یا خوفِ خدا یا خوفِ سقر ہین دو ہی بیان تیرے واعظ
اللہ کے بندے دل مین تیرے ہے سوز و گدازِ محبت بھی

جب تک ہے جوانی کا عالم کیا عیش کی مستی رہتی ہے
جب پیری موت کی لائی خبر پھر زہد بھی ہے اور طاعت بھی

گرتے ہی زمین کے دامن مین اے طفل یہ رونا دھونا کیا
دنیا مین اگر تو آیا ہے یان رنج بھی ہے اور راحت بھی

سنہ ۱۹۱۲ء

نئے جھگڑے نرالی کاوشین ایجاد کرتے ہین
وطن کی آبرو اہلِ وطن برباد کرتے ہین

ہوا مین اُڑ کے سیرِ عالمِ ایجاد کرتے ہین
فرشتے دنگ ہین وہ کام آدم زاد کرتے ہین

نیا مسلک نیا رنگِ سخن ایجاد کرتے ہین
عروسِ شعر کو ہم قید سے آزاد کرتے ہین

متاعِ یاس غیرت بوالہوس برباد کرتے ہین
لبِ خاموش کو شرمندۂ فریاد کرتے ہین

ہواے تازہ پاکر بوستان کو یاد کرتے ہین
اسیران قفس وقت سحر فریاد کرتے ہین

ذرا اے کنج مرقد یاد رکھنا اس حمیت کو
کہ گھر ویران کرکے ہم تجھے آباد کرتے ہین

ہر اک خشت کہن افسانۂ دیرینہ کہتی ہے
زبان حال سے ٹوٹے کھنڈر فریاد کرتے ہین

بلاے جان ہین یہ تسبیح اور زنّار کے پھندے
دل حق بین کو ہم اس قید سے آزاد کرتے ہین

اذان دیتے ہین بتخانہ مین جا کر شان مومن سے
حرم مین نعرۂ ناقوس ہم ایجاد کرتے ہین

نکل کر اپنے قالب سے نیا قالب بسائے گی
اسیری کے لیے ہم روح کو آزاد کرتے ہین

محبت کے چمن مین مجمع احباب رہتا ہے
نئی جنت اسی دنیا مین ہم آباد کرتے ہین

نہین گھٹتی مری آنکھون مین تاریکی شب غم کی
یہ تارے روشنی اپنی عبث برباد کرتے ہین

تھکے ماندے مسافر ظلمت شام غریبان مین
بہار جلوۂ صبح وطن کو یاد کرتے ہین

دل ناشاد روتا ہے زبان اُف کر نہین سکتی
کوئی سنتا نہین یون بینوا فریاد کرتے ہین

جناب شیخ کو یہ مشق ہے یاد الٰہی کی
خبر ہوتی نہین دل کو زبان سے یاد کرتے ہین

نظر آتی ہے دنیا اک عبادت گاہ نورانی
سحر کا وقت ہے بندے خدا کو یاد کرتے ہین

سبق عمر رواں کا دل نشین ہونے نہین پاتا
ہمیشہ بھولتے جاتے ہین جو کچھ یاد کرتے ہین

زمانہ کا معلم امتحان ان کا نہین کرتا
جو آنکھین کھول کر یہ درس ہستی یاد کرتے ہین

ادب تعلیم کا جوہر ہے زیور ہے جوانی کا
وہی شاگرد ہین جو خدمت استاد کرتے ہین

نہ جانی قدر تیری عمر رفتہ ہم نے کالج[عہ] مین
نکل آتے ہین آنسو اب تجھے جب یاد کرتے ہین

عہ یہ غزل کنگ کالج کے مشاعرہ مین پڑھی گئی تھی

سنہ ۱۹۱۱ء

قوم کی شیرازہ بندی کا گلہ بیکار ہے
طرزِ ہندو دیکھ کر رنگِ مسلمان دیکھ کر

دیدنی ہے بیخودی وارفتگانِ شوق کی
ہنس رہے ہیں خود بخود چاکِ گریبان دیکھ کر

انتشارِ قوم سے جاتی رہی تسکینِ قلب
نیند رخصت ہو گئی خوابِ پریشان دیکھ کر

شاد ہیں ناشاد ہیں یا خانماں برباد ہیں
ہم سے اچھے ہیں کہ یہ وحشی و طیور آزاد ہیں

آب و دانہ سے قفس کے کچھ ہمیں الفت نہیں
بے پروبالی سے اپنی عاشقِ صیاد ہیں

پر لگے تہذیب کو کشتیِ نو ایجاد سے
خدمتِ آبِ روان لیتا ہے انسان باد سے

سنہ ۱۹۱۱ء

رفتہ رفتہ یہ بڑھا جلوۂ تصویرِ بہار
سبز پوشانِ چمن بن گئے تصویرِ بہار

لبس تر حسن ہوا قیدِ لوازم سے بری
پیکرِ گل کو نہائی گئی تصویرِ بہار

دیکھنا خامۂ قدرت کی یہ رنگ آمیزی
ورقِ گل پہ لکھا نامۂ تقدیرِ بہار

صبحدم آئینۂ آب میں ہے عکسِ چمن
کھینچدی ہے یدِ قدرت نے یہ تصویرِ بہار

سیکڑوں پھول کھلے پر نہ کھلی دل کی کلی
ہم قفس بن نہیں شرمندۂ تاثیرِ بہار

عکس مہ قطرۂ شبنم مین ہی شبنم گل پر
پردۂ شب مین چمک اُٹھی ہی تقدیر بہار

پردۂ خاک سے گل جام بکف نکلا ہے
مے کی تاثیر سے کچھ کم نہین تاثیر بہار

مے جوانی ہے مری دل مرا میخانہ ہے
یان صراحی ہی نہ شیشہ ہی نہ پیمانہ ہے

دلِ مایوس مین کیفیت امید کہان
مے کے قابل نہین ٹوٹا ہوا پیمانہ ہے

دوست مرنے پہ مرے دادِ وفا دیتے ہین
ہاے کس وقت محبت کا صلا دیتے ہین

دشمنون سے بھی مجھے ترکِ وفا مشکل ہی
دوست بن کر مجھے کم بخت دغا دیتے ہین

سنہ ۱۹۱۱ع

کسی کو کیا موافق ہو گیا گر باغبان میرا
صبا میری چمن میرا چمن مین آشیان میرا

مرے احباب پیش آتے ہین مجھ سے بیوفائی سے
وفاداری مین شاید کر رہے ہین امتحان میرا

ہجوم بیکسی ہے شام تنہائی ہی اور مین ہون
صدا لے چارہ گر برہم نہ کر دے یہ سمان میرا

تہ و بالا کیا ہی گردش اعمال نے مجھ کو
نہ دشمن ہی زمین میری نہ دشمن آسمان میرا

صفائے قلب سے اللہ رے انسان کی عظمت
فرشتے چومتے ہین آکے سنگ آستان میرا

الٰہی خیر ہو یہ کیا سرگذشتِ دل سُنائے گا
لرزتا ہی مرے آنکھون مین کیون اشکِ رَوان میرا

سنہ ۱۹۱۱ء

ملک مین دولت نہین باقی دوا کے واسطے
ہاتھ خالی رہ گئے ہین اب دعا کے واسطے

خود پرستون سے حبیبانِ وطن کا قول ہی
ہم وفا کے واسطے ہین تم جفا کے واسطے

آب و آتش کی غلامی پر بشر قانع نہین
ہو رہی ہے فکر تسخیر ہوا کے واسطے

مُردہ دل زندہ جفائے زندگی سہنے کو ہین
مَرنے والے مر گئے پاسِ وفا کے واسطے

رنج و راحت کا سبب دنیا مین کچھ پایا نہین
حشر مین ہم صاف کہدین گے خدا کے سامنے

گل نہین تو بوئے گل ہی سے معطر ہو دماغ
کوئی رکھدیتا قفس میرا ہوا کے سامنے

آشنا ہون کان کیا انسان کی فریاد سے
شیخ کو فرصت نہین ملتی خدا کی یاد سے

جلوۂ معرفت

(فلسفۂ وید)

فیض قدرت سے جو تقدیر کھلی عالم کی ــ ساحلِ ہند پہ وحدت کی تجلّی چمکی
مٹ گئی جہل کی شب صبح کا تارہ چمکا ــ آریاورت کی قسمت کا ستارا چمکا
اہلِ دل پر ہوئی کیفیتِ عرفان طاری ــ جن سے دنیا مین ہوئین دین کی نہرین جاری
تھین کھلی جلوہ گہِ خاص مین راہین اُن کی ــ واقفِ رازِ حقیقت تھین نگاہین اُن کی
عرش سے اُن کے لیے نورِ خدا آیا تھا ــ بندۂ خاص تھے رشیون کا لقب پایا تھا
ویداُن کے دلِ حق کیش کی تصویرین ہین ــ جلوۂ قدرتِ معبود کی تفسیرین ہین
عین کثرت مین یہ وحدت کا سبق وید مین ہے ــ ایک ہی نور ہی جو ذرّہ و خورشید مین ہے
جس سے انسان مین ہی جوشِ جوانی پیدا ــ اُسی جوہر سے ہے موجون مین روانی پیدا
رنگ گلشن مین فضا دامنِ کہسار مین ہی ــ خون رگِ گل مین ہی نشتر کی خلش خار مین ہی
تمکنت حسن مین ہی جوش ہی دیوانے مین ــ روشنی شمع مین ہی نور ہی پروانے مین
رنگ و بو ہو کے سمایا وہی گلزارون مین ــ ابر بنکر وہی برسا کیا کہسارون مین
شوق ہو کر دلِ مجذوب پہ چھایا ہی وہی ــ درد بن کر دلِ شاعر مین سمایا ہی وہی
نورِ ایمان سے جو پیدا ہو صفا سینے مین ــ عکس اس کا نظر آتا ہی اس آئینے مین

ع یہ نظم ایک دوست کی فرمایش سے ایک مذہبی کتب خانہ کی ۲ پر کندہ ہونے کے لیے تصنیف کی گئی تھی۔

قطعہ

کل سرِ شام مرے سامنے ایک مردِ بزرگ — عالمِ غیظ میں اس طرح ہوئے گرم سخن

آپ نے حضرتِ گرٹو[ع] کا لڑکپن دیکھا — تج دیا خدمتِ کالج کے لیے تن من دھن

کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ انھیں کیا سوجھی — کون ذی ہوش کہے گا اسے کارِ احسن

چھوڑ دی خواہش زر ترک کیا عیش شباب — گر یہ سنیاس نہیں ہے تو ہے کیا حضرت من

دولتِ علم بھی تھی دولتِ دنیا بھی تھی — لہلہاتا تھا جوانی کی اُمنگوں کا چمن

ہوتے سرگرم تجارت کہ وکالت کرتے — ہر طرح گوہر مقصود سے بھرتے دامن

پر عجب چیز ہے یہ آپ کا "حبِ قومی" — روشنی طبع کی ہو جاتی ہے برق خرمن

اور بھی پیر و جوان قوم میں ہیں صاحبِ زر — اپنے سر ایک بھی لیتا نہیں ایسی الجھن

فکر زر سے نہیں پیری میں بھی ہوتے غافل — ترک کرتے ہیں وکالت نہ ہیں لیتے پنشن

خدمتِ قوم تو اک شغل ہے بیکاروں کا — یا جو مفلس ہیں مبارک رہے اُن کو یہ چلن

سُن کے یہ قصۂ بیدردی ابنائے زمان — یاد آئی مجھے استاد کی یہ بیتِ کہن

اے کہ آگاہ نۂ حالتِ درویشان را
تو چہ دانی کہ چہ سود است سر ایشان را

[ع] پنڈت اقبال نرائن گرٹو۔

پانچوان حصہ

(مشق ابتدائی کا کلام)

مرقع عبرت[۵۷]

سنہ ۱۸۹۸ء

[تمہید]

ہان نورِ ازل جلوۂ گفتار دکھا دے — ہان شمع زبان مطلعِ انوار دکھا دے
ہان طبع روان قلزمِ ذخّار دکھا دے — ہان رنگِ سخن گلشنِ بیخار دکھا دے

گلزار معانی کا مہکتا نظر آئے
طوطی چمنستان مین چہکتا نظر آئے

ہو حسن بیان مین چمنستان کا تجمل — ہر نکتۂ رنگین نظر آئے صفتِ گل
ہر معنئ پیچیدہ بنے طرۂ سنبل — عاشق ہون سخن پر جو حسین صورتِ بلبل

جو شعر ہو طوبے کا وہ ثانی نظر آئے
کوثر کی طبیعت مین روانی نظر آئے

---

۵۷ یہ نظم انجمن نوجوانانِ کشمیر کے ایک سالانہ جلسہ مین کچھ عرصہ بعد پڑھی گئی تھی۔

ہان طبع رسا خاطر احباب ہے منظور — بس شرم کا برقع رخِ معنی سے ہو اب دور
دکھلا دے سرِ بزم تجلّی سرِ طور — غش صورت موسیٰ ہون جو سُن پائین یہ مذکور

منکر جو ہین فرعون صفت اعجازِ سخن کے
ہو آج وہ قائل مرے اندازِ سخن کے

ہان طعنہ و تشنیع کی پروا نہین مجھ کو — تحسین و ستائش کی تمنا نہین مجھ کو
نیرنگیِ افلاک کا شکوا نہین مجھ کو — کچھ فکر ہو شہرت کی یہ سودا نہین مجھ کو

ڈوبا ہوا ہون شغل سخن رنگ سخن مین
گل ہو کے بن رہتا ہون لطافت کے چمن مین

اِس وقت کا اب ہوش بھی پورا نہین زنہار — سرمست مجھے رکھتی ہی حب مئے اشعار
لیکن نہ رہا مجھ کو تعلّی سے سروکار — ہی میری خموشی یہ فدا عالمِ گفتار

اِس مے نے کچھ ایسا مجھے مدہوش کیا ہے
خود اپنے تئین مین نے فراموش کیا ہے

عالم سے جُدا ہے مری تقریر کا عالم — بندشون پہ حیرت سے ہی تصویر کا عالم
رنگین سخنی سے ہے یہ تحریر کا عالم — ہر صفحے پہ ہے گلشنِ کشمیر کا عالم

کیفیتِ گلزار سمائی ہے نظر مین
اِس خطّہ دلکش کا ہی سودا مرے سر مین

محتاج نہین ضعف کا یہ خطۂ دل گیر — ہر روش گلزار جنان گلشن کشمیر
فردوس برین اس کی ہی بگڑی ہوئی تصویر — وان موج ہوا مین دم عیسی کی ہی تاثیر

ہر سوختہ جانے کہ بکشمیر درآید
گر مرغ کباب است کہ با بال و پر آید

[کشمیر]

پانی مین ہی چشمون کے اثر آب بقا کا — ہر نخل پہ عالم خضر سبز قبا کا
جو پھول ہے گلشن مین وہ ہی نور خدا کا — سائے مین شجر کے ہے اثر ظل ہما کا

مبدا ہو کرم عام کی ہر جوئے روان ہے
چشمۂ فیض چمن آرائے جہان ہے

وہ موج ہوا کا حرکت ابر کو دینا — چشمون سے پہاڑون کے وہ اُڑتا ہوا اچھینا
گاتے ہوئے ملاحون کا وہ کشتیان کھینا — ڈل کا وہ سر شام ادھر کروٹین لینا

وہ عکس چراغون کا جھلکتا نظر آنا
پانی کا ستارہ بھی چمکتا نظر آنا

ہر لالۂ کہسار ہے شکل گل رحمت — داغ اُس کے ہین خال رخ حورائے حسرت
کیا سبزہ خوشرنگ ہے سرمایۂ عشرت — دل کے لیے ٹھنڈک ہے جگر کے لیے فرحت

ڈل ایک جھیل کا نام ہے۔

ایسا نہین قدرت نے کیا فرش کہین پر
اس رنگ کا سبزہ ہی نہین روے زمین پر

وہ صبح کو کہسار کے پھولون کا مہکنا — وہ جھاڑیون کی آڑ مین چڑیون کا چہکنا
گردون پہ شفق کوہ پہ لالے کا لہکنا — مستون کی طرح ابر کے ٹکڑون کا بہکنا

ہر پھول کی جنبش سے عیان نازبری کا
چلنا وہ دبے پانوءن نسیم سحری کا

وہ طائر کہسار لب چشمۂ کہسار — وہ سرد ہوا وہ کرم ابر گہر بار
وہ میوۂ خوش رنگ وہ سرسبز چمن زار — اک آن مین صحت ہو جو برسون کا ہو بیمار

یہ باغ وطن رو کش گلزار جنان ہی
سرمایۂ نازِ چمن آراے جہان ہی

ہے خطۂ سرسبز مین اک نور کا عالم — ہر شاخ و شجر پر شجر طور کا عالم
پروین ہے یہ ہے خوشۂ انگور کا عالم — ہر خار پہ بھی ہے مژۂ حور کا عالم

نکلے نہ صدا ایسی مغنی کے گلو سے
آتی ہے جو آواز ترنم لب جو سے

میوون سے گرانبار وہ اشجار کے ڈالے — بکھرے ہوئے وہ دامن کہسار پہ لالے
اُڑتے ہوئے بالاے ہوا برف کے چھالے — دیکھے جو کوئی دور سے ہین روئی کے گالے

وہ ابر کے ٹکڑون کا تماشا شجرون مین
جھرنون کی صدائین وہ پہاڑون کے درون مین

چھوٹے ہوے اس باغ کو گذرا ہی زمانا — تازہ ہی مگر اس کی محبت کا فسانا
عالم نے شرف جن کی بزرگی کا ہی مانا — اُٹھے تھے اسی خاک سے وہ عالم ودانا

تن جن کا ہی پیوند اب اس پاک زمین کا
رگ رگ مین ہماری ہی روان خون اُنھین کا

ہان مین بھی ہون بلبل اسی شاداب چمن کا — ہی جنبۂ فردوس یہ عالم ہے دمن کا
کس طرح نہ سرسبز ہو گلزار سخن کا — ہی رنگ طبیعت مین چمن زار وطن کا

تازے ہین مضامین بھی طبیعت بھی ہری ہے
ہان گلشن قومی کی ہوا سر مین بھری ہے

(قوم کی حالت)

ہے لب پہ مرے الفتِ قومی کا ترانہ — آئینۂ کیفیت نیرنگ زمانہ
ہان گوش حقیقت سے سنین عاقل ودانا — تقدیر کی گردش کا یہ پُر درد فسانہ

کس اوج سے اس قوم کا کیا حال ہوا ہی
کس طرح یہ گلشن مرا پامال ہوا ہی

خاموش تھا جو لب وہی سرگرم فغان ہی　　جو آگ تھی سینے مین نہان آج عیان ہی
بسمل کی طرح خاطر ناشاد تپان ہی　　ہر دم نفس صورت شمشیر روان ہی

لختے بردار من گذر وہرکہ ز پیشم
من قاش فروش دل صدپارۂ خویشم

ہے قوم پہ چھایا ہوا یہ ابر نحوست　　نظرون سے ہی پنہان رُخ خورشید سعادت
میدان ترقی سے قدم کرتے ہین رجعت　　سائے کی طرح ساتھ ہی ادبار کی صورت

وہ بار الم ہے کہ اُٹھایا نہین جاتا
بگڑا ہے وہ نقشہ کہ بنایا نہین جاتا

پیرون مین نہین روشنیِ چشم بصیرت　　عنقا ہی جوانون مین جوانمردی ہمت
گمراہ ہوئے جاتے ہین خود خضر طریقت　　ہر صفحۂ دل سے ہی مٹا حرف محبت

باقی ہی کہان نام و نشان مہر و وفا کا
کچھ رنگ ہی بدلا نظر آتا ہے ہوا کا

[نوجوانون کی حالت]

موجود ہی جن بازوون مین زور جوانی　　طوفان سے اُنھین کشتی قومی ہی بچانی
پر ہی اُنٹے غفلت سے سرون مین یہ گرانی　　آرام پسندی مین یہ رکھتے نہین ثانی

پہلو مین کسی کے دل دیوانہ نہین ہے
ہین مرد مگر ہمتِ مردانہ نہین ہے

عبرت نہین دیتا نہین نیرنگ زمانہ — عمر ان کی فقط لہو ولعب کا ہے فسانہ
تعلیم کہان اور کہان صحبتِ دانا — بس پیشِ نظر رہتا ہے آئینہ و شانہ

گہ رُخ پہ گہے موے پریشان پہ نظر ہے
اک شغل یہی ان کے لیے شام و سحر ہے

مٹی ہین یہ قدرت کے عطیے ہین ہلاتے — کچھ نشو و نما جوہرِ ذاتی نہین پاتے
عزت جو بزرگون کی ہے وہ بھی ہین گنواتے — بازارون مین دولت ہین جوانی کی لٹاتے

کاشانۂ تہذیب سنورتا نہین دم بھر
وہ نشہ چڑھا ہے کہ اُترتا نہین دم بھر

پاسِ ادب و حسنِ لیاقت نہین رکھتے — پاکیزہ و پُر جوش طبیعت نہین رکھتے
آنکھون کے لیے سرمۂ عبرت نہین رکھتے — دل رکھتے ہین پر دردِ محبت نہین رکھتے

کیا غم چمنِ قوم ہے ویران کہ ہرا ہے
نخوت کی ہوا سے سرِ شوریدہ بھرا ہے

ہمت نہین لیکن دلِ پرجوش پہ نازان — بیہوش و خرد ہین خرد و ہوش پہ نازان
بدشکل ہین چشم ولب وگوش پہ نازان — کم ظرف کوئی اپنے تن و توش پہ نازان

نیرنگی افلاک کا ڈر ان کو نہین ہے
فرعون ہین موسیٰ کی خبر ان کو نہین ہے

مفلس ہین مگر خبط امیرون سے سوا ہین
اچھے یہ اسیر قفس حرص و ہوا ہین

ناموس کے طالب ہین نہ پابند حیا ہین
سیرت سے غرض کچھ نہین صورت پہ فدا ہین

پروا نہین مانگے کا اگر جامۂ تن ہو
سودا ہے تو یہ ہے کہ نہ دامن پہ شکن ہو

خود شان ریاست مین ہوے جاتے ہین برباد
گو حجرۂ کلفت مین گرفتہ مادر ناشاد

دیکھے نہ سنے خلق مین اس طرح کے آزاد
کیا باعث عبرت ہو انھین قوم کی فریاد

جو شرم سے میلے نہ ہون تیور ہین یہ انکے
"دل رکھتے ہین فولاد کا جوہر ہین یہ انکے"

بس نفس پرستی کو سمجھتے ہین یہ راحت
حصّے مین نہین ان کے جوانی کی لطافت

وہ جوہر عالی ہین نہ وہ حسن لیاقت
جن سے کہ ہیر پاتی پر پرواز طبیعت

آتا ہے نظر اور سماں ارض و سما مین
اُڑتا ہے بشر عالم بالا کی ہوا مین

رگ رگ مین وہ بجلی کی طرح خون کی روانی
ہر موے بدن جس سے رگ جان کا ہو ثانی

اللہ رے بہار چمنستان جوانی
چلتی نہین بھولے سے یہان باد خزانی

تعریف ہو کیا اس چمنستان کے ثمر کی
کانٹے مین بھی جس کے ہے نزاکت گل تر کی

لیکن نہین یہ تازہ ثمر اِن کو میسر تعریف مین جس کی ہے فرشتون کی زبان تر
گو باغِ جوانی کی ہوا کے ہین یہ خوگر پھولون سے نہین اس کے دماغ ان کا معطر

درپیش انھین عالمِ غربت ہے وطن مین
بیگانہ ہین سبزے کی طرح رہ کے چمن مین

جو صاحب تہذیب ہین اور صاحب جوہر اُن مین بھی نہین قوم کو ہمدرد میسر
ہے سر مین ہوا حرص کی دل مین ہوس زر دنیا کے یہ حامی ہین نہین قوم کے رہبر

بس زر کی پرستش انھین فرض ازلی ہے
بت ہے تو یہی ہے جو خدا ہے تو یہی ہے

[دولت]

کہتے تھے برا زر کو سخن سنج پرانے اُن لوگون کے ہمراہ گئے اُن کے زمانے
وہ فلسفہ و علم و ادب اب ہین فسانے بدلا ہے نیا رنگ زمانے کی ہوا نے

دولت ہے اب زینتِ کاشانۂ تہذیب
کہتے ہین اسے شمع جلو خانۂ تہذیب

مٹ جانے پہ بھی نام و نشان رہتا ہی اس سے　　سرچشمۂ امید روان رہتا ہے اس سے
تازہ چمنِ تاب و توان رہتا ہی اس سے　　پیری مین بھی انسان جوان رہتا ہی اس سے

ہر رنگ مین یہ تازگیِ قلب و جگر ہے
ہر صلح مین شمشیر لڑائی مین سپر ہے

کوشش کبھی زردار کی جاتی نہین بے سود　　رہتا ہے سدا سایہ فگن طالع مسعود
انسان کی نیت مین اگر شر نہ ہو موجود　　زر ہاتھ مین اس کے ہی کلید در مقصود

کب گوہرِ امید کو رولا نہین اس نے
تھا کون سا در بند جو کھولا نہین اس نے

ہون طالب تحقیق کہ دلدادۂ تعلیم　　خم سامنے دولت کے ہی سب کا سر تسلیم
سُنتے ہین اُنھین کے لیے ہین کوثر و تسنیم　　یان جورۂ مولا مین لٹاتے ہین زر و سیم

دنیا ہی مین کچھ ذکر نہین تازہ ہی اس کا
دربار مین اللہ کے آوازہ ہے اس کا

لیکن وہ زر و مال نہین قابل تحسین　　انسان کو بنا دے جو شکم پرور و خودبین
زردار وہ ہی جس مین شرافت کے ہون آئین　　ہو بزم محبت کے لیے باعث تزئین

سرسبز رہے قوم یہ انعام ہو اُس کا
باران کی طرح فیض و کرم عام ہو اُس کا

مانا ہوسِ زر ہے بشر کے لیے عادت — لیکن نہین دنیا مین فقط اک یہی نعمت
کچھ اور بھی جوہر ہین عطا کردۂ قدرت — غمخواری و دلجوئی و ہمدردی و الفت

زر آپ نہین دشمنِ اخلاق و ادب ہے
جو حد سے گذر جاتی ہے وہ اس کی طلب ہے

جو لوگ مئے حرص سے دنیا مین ہین سرشار — جینے کی لطافت سے نہین اُن کو سروکار
مانند گدا زر کے ہین ہر وقت طلبگار — آزاد کہان دامِ طمع مین ہین گرفتار

محروم مئے عیش سے یہ خستہ جگر ہین
مالک نہین زر کے ہین فقط بندۂ زر ہین

دولت وہی ہے مجبور کی جو عقدہ کشا ہو — اکسیر ہو دردِ دلِ بیکس کی دوا ہو
آئینۂ اخلاق و محبّت کی جلا ہو — ظلماتِ فلاکت کے لیے آبِ بقا ہو

یون فیض کے چشمے ہون رواں باغِ وطن مین
جیسے کرمِ ابرِ گہربار چمن مین

ہر صبح گلستان مین بصد شانِ فصاحت — بلبل گلِ رنگین سے یہ کرتی ہے حکایت
دیکھو چمن آرائے دوعالم کی عنایت — گھٹتے کبھی دیکھی نہین فیاض کی دولت

گو کم گہرِ خوش آب لٹاتا نہین ہوتا
خالی کبھی شبنم کا خزانہ نہین ہوتا

مانا سببِ شوکت و اجلال ہے دولت
پر مفلسِ بیکس بھی نہین قابلِ نفرت
ادنیٰ سے ملے جھک کے یہ اعلیٰ کی ہے عظمت
بس نشۂ زر سے نہ بہکے چشمِ مروت
ہے کبر اسے شانِ امارت نہین کہتے
کچھ کہیے اِسے حسنِ شرافت نہین کہتے

کس اوج پہ خورشید جہان تاب ہے معمور
دل تیرگیٔ کبر سے کوسون ہے مگر دور
گو خاک نہین ذرّۂ ناچیز کا مقدور
دیتا ہے اسے جام سے اپنے وہ مئے نور
یا ماہ کا اس اوج پہ کیا فیض عیان ہے
ہر خانۂ مفلس کے لیے شمع مکان ہے

یا باغ مین کھلتا ہے دمِ صبح گلِ تر
کیا کیا اِسے ہوتے نہین اعزاز میسّر
بنتا ہے عروسانِ جہان کے لیے زیور
دستار مین نوشہ کی رہا کرتا ہے اکثر
لیکن نہ کسی وضع پہ اِس ڈھنگ سے دیکھا
بیکس کی لحد پر اسے جس رنگ سے دیکھا

دنیا مین جنھین رتبۂ عالی ہے میسّر
بیکس کی وہ امداد کیا کرتے ہین اکثر
یان قوم مین حاصل جنھین اوجِ فزون تر
وہ شومیٔ تقدیر سے دل رکھتے ہین پتھر
ہمدرد ہون غیرون کے یہ عادت نہین ان کی
تکلیف ہے جو وہ طبیعت نہین ان کی

[آزادی و اصلاح]

آزادی و اصلاح کے جب آتے ہین اذکار
تقلید ہو یورپ کی یہی رہتی ہے گفتار

موجود مگر اِن مین وہ جوہر نہین زنہار
مغرب مین جو تہذیب و ترقی کے ہین اسرار

وہ حُبِّ وطن خون مین شامل نہین رکھتے
گو دلولے رکھتے ہین مگر دل نہین رکھتے

تھے خطۂ یورپ مین جو اصلاح کے بانی
آزادیِ قومی پہ لہو کر گئے پانی

مرجھا گئے کتنے ہی گلِ باغِ جوانی
اِس نخل سے پر دور رہا رنگ خزانی

سرگرم شہادت تھے وہ ایثار کی خو سے
سینچا چمنِ قوم رگِ جان کے لہو سے

تھے یکۂ و تنہا پہ ہزارون کو نہ سمجھا
عشقِ گلِ مقصود مین خارون کو نہ سمجھا

سر کٹ گئے تلوارون کی دھارون کو نہ سمجھا
جل جل گئے شعلون کو شرارون کو نہ سمجھا

بدکیش نمود اِن کی مٹا اب نہین سکتے
وہ آگ لگی ہے کہ بجھا اب نہین سکتے

بالعکس یہان قوم کی ہمت مین ہے پستی
وہ مرد کہان ہیچ سمجھتے ہین جو ہستی

یہ جوش فقط جہل و تکبر کی ہے مستی
اصلاح کے پردے مین ہے بس نفس پرستی

آثار دلون مین ہین کہان درد نہان کے
دِکھلاتے ہین جوہر یہ فقط سیف زبان کے

دکھلاتی ہی بس سیف زبان جوہر عالی لاریب صدا دیتا ہی جو ظرف ہی خالی
اصلاح کی تقلید ہے اک امر خیالی جب بانی اصلاح ہون خود ضیغم قالی

گر حُسن نہین عشق بھی پیدا نہین ہوتا
بلبل گُلِ تصویر پہ شیدا نہین ہوتا

شکوہ تو یہ ہے قوم کی برگشتہ ہی تقدیر چلتی نہین اصلاح کی اصلا کوئی تدبیر
لیکن جو ہین خودداری خود بینی کے نخچیر اُن لوگون کی گفتار مین کس طرح ہو تاثیر

جو خود نہین سرگرم کرے گا وہ بشر کیا
جب دِل مین نہین درد زبان مین ہو اثر کیا

[مذہب]

سودائے محبت مین انھین کے نہین خامی خود بینی سے خالی نہین مذہب کے بھی حامی
عرفان کی خبر لاتی ہو گو طبع گرامی ہے نفس کی منظور حقیقت مین غلامی

کچھ قوم کی پروا ہے نہ فکر کہ و مہ ہے
ہو جائے نجات اپنی تمنا ہے تو یہ ہے

عالم کے دکھانے کے لیے خاک نشین ہین — دعویٰ ہی کہ ہم مالکِ فردوس برین ہین
دنیا کی ترقی پہ سدا چین بجبین ہین — گویا کہ یہی رازِ الٰہی کے امین ہین

جو اور ہین وہ معرفتِ حق سے جدا ہین
بس ایک یہی بندۂ مقبولِ خدا ہین

انسان کی محبت کو سمجھتے ہین یہ آزار — ہمدردیِ قومی سے اُنھین آئے نہ کیون عار
رہتے ہین سدا فکر مین عقبےٰ کی گرفتار — دنیا کے فرائض سے نہین اُن کو سروکار

یون جادۂ تسلیم و رضا مل نہین سکتا
اِن مین وہ خودی ہی کہ خدا مل نہین سکتا

[پیرانِ نکوکار]

کچھ اور ہی طینت کے ہین پیرانِ نکوکار — کرتے ہین وہ اخلاق سے مذہب کو سبکبار
کہنے کو تو ہین دین کے حامی و مددگار — اور کرتے ہین تاقین یہ سب کو سرِ بازار

قائم نہ رہو بہرِ خدا صدق بیان پہ
جو دل مین تمھارے ہی وہ لاؤ نہ زبان پہ

منظور انھین پیرویِ عہدِ کہن ہے — مذہب یہی ان کا یہی حبِ وطن ہے
کوشش ہی کوئی نیک نہ تدبیرِ حسن ہے — ایمان کے پردے مین فقط پاسِ سخن ہے

اِن لوگوں کو دنیا کی ستائش سے غرض ہے
مذہب نہ ہو مذہب کی نمائش سے غرض ہے

لیکن نہیں اخلاق سے کچھ ان کو سروکار
یہ طرزِ عمل قابلِ تحسین نہیں زنہار
باطن ہیں جبیں انسان کے اچھے نہیں کردار
ظاہر کی نمائش سے وہ ہوتا نہیں دیندار

دل صورتِ آئینہ جو روشن نہیں ہوتا
زنار پہننے سے برہمن نہیں ہوتا

مردہ ہے روانِ روح ہو گر جسم بشر سے
کانٹا ہی جدا ہو جو نزاکت گل تر سے
ہے مثل خزف دور صفا ہو جو گہر سے
آئینہ بے آب اُترتا ہے نظر سے

مذہب بجز اخلاق روا ہو نہیں سکتا
معنی سے کبھی لفظ جدا ہو نہیں سکتا

[تنبیہہ]

ہشیار رہو اے قوم یہ غفلت نہیں اچھی
یہ خیرگیِ نشۂ دولت نہیں اچھی
معزولیِ آئینِ شرافت نہیں اچھی
یہ دشمنِ اخلاق شریعت نہیں اچھی

ماتا شب ادبار کا ہر سمت اثر ہے
گر خواب سے بیدار رہو اب بھی تو سحر ہے

ہان ابر کرم سے چمنِ قوم ہو شاداب
واللہ یہی حسنِ شرافت کا ہے آداب

حیوان بھی یون سیکھتے ہین سب شغلِ خور و خواب
تہذیب کا آئین ہی دل سوزیِ احباب

محروم اِسی خلق سے حیوان ہوا ہے
انسان اِسی بات سے انسان ہوا ہے

خالق نے دیے ہین جنھین اوصاف حمیدہ
ہوش اِن کے نہ ہون نشۂ نخوت سے پریدہ

للّٰلہ کرین قوم سے دامن نہ کشیدہ
لاتی نہین پھل پھول کبھی شاخ بریدہ

احباب کی صحبت کو بشر کھو نہین سکتا
ناخن سے کبھی گوشت جدا ہو نہین سکتا

واجب نہین مذہب کے مسائل مین بھی حجّت
بازیچۂ اطفال ہین ہفتاد و دو ملت

بس قابلِ تسلیم اُسی کی ہے شریعت
جس دِل مین ہو انسان کے لیے دردِ محبت

تہذیب پسندیدۂ آفاق یہی ہے
مذہب یہی ملّت یہی اخلاق یہی ہے

مہادیو گووند رناڈے

(نوحہ)

سنہ ۱۹۰۱ء

اے آفتاب اوجِ امارت کہاں ہے تو
اے شمعِ بزمِ حسنِ لیاقت کہاں ہے تو

اے عندلیبِ باغِ فصاحت کہاں ہے تو
اے خضرِ شاہراہِ فراست کہاں ہے تو

اَے رہ نوردِ عالمِ بالا چگونۂ
ما بے تو خستہ ایم تو بے ما چگونۂ

افسوس آج باغِ جہان مین نہین ہے تو
پھیلی ہے چار سمت محبت کی تیری بو

تو کیا گیا وطن کی گئی تیرے آبرو
کیون چشمِ یاس سے نہ بہے خون آرزو

خرمن جلا امید کا کھیتی اُجڑ گئی
یہ گلشنِ مراد پہ کیسا اوس پڑ گئی

تیری تو روح گلشنِ جنت مین ہے مقیم
احباب روتے ہین تجھے با حالت سقیم

دل جانتا ہے اُن کا جو ہے صدمۂ عظیم
مرنے سے تیرے قوم مرہٹہ ہوئی یتیم

قایم مکان عزت و اعزاز کب رہے
تجھ سا ستونِ عظم شوکت نہ جب رہے

سرچشمۂ کرم تھی تری ذات بے گمان پاتا تھا فیض تجھ سے ہر اک پیر و نوجوان
ماہی و موج علم تھے تو تجربے گران پر نور تیرے دم سے تھا یہ تیرہ خاکدان

ممنون تیری ذات کا ہندوستان تھا
اپنے وطن کا فخر مرہٹوں کی جان تھا

میدانِ علم و فن میں عجب یکّہ تاز تھا بس تجھ سے درِ ترقیِ قومی کا باز تھا
عالم میں سربلند تھا اور سرفراز تھا اہلِ وطن کو تیری لیاقت پہ ناز تھا

نورِ قلم سے شاہیِ ملکِ بیان ملی
بوسے ئے جس کے نطق وہ پیاری زبان ملی

تحریرِ علم و فضل سے تیری تھی انتخاب اور سادگی و حسن لطافت میں لاجواب
تقریر میں وہ نورِ معانی کی آب و تاب ہر دم زبان تھی شہد فصاحت سے کامیاب

جب تک نفس کی تن میں روانی نہیں گئی
قبضے سے تیرے سیف بیانی نہیں گئی

اِس طرح تیرے فیض سے تھے باریاب ہم ذرّوں پہ آفتاب کا جس طرح ہو کرم
جھکتے تھے تیرے سامنے ذی جاہ و ذی حشم سر کون سا تھا جو ترے آگے نہیں تھا خم

تیری زبان دیتی تھی تازہ بشارتیں
"ہوتی تھیں تیرے نقشِ قدم کی زیارتیں"

اصلاح اور رفاہ مین سرگرم تھا جو تو تیرے مرید ملک مین پھیلے تھے چار سو
دل مین جو تیرے حبّ وطن کی تھی آبرو وابستہ تیری ذات سے تھی سب کی آرزو

اب صاف اختلاف کا دروازہ کھل گیا
ہر فرد کیون جدا نہ ہو شیرازہ کھل گیا

کشتی ہو جیسے کوئی تلاطم مین مبتلا اور جوش مین ہون موجۂ و گرداب جابجا
ہوا بر و باد و برق سے طوفان اگیا تاریک شب کی سر پہ ہو چھائی ہوئی بلا

برپا ہو شور رعد موافق ہوا نہ ہو
اور ساحل مراد کا کوسون پتا نہ ہو

لیکن ہو نا خدا کوئی اس درجہ ہوشیار منجدھار سے جو بچ کے ہو جا لگے کنار
کشتی کو ان ہوا کے تھپیڑون سے لے ابھار ٹکرا کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جن سے حباب وار

دھڑکا ذرا نہ اُس کے دل پر ہیم کو ہو
آئے شکن جبین پہ نہ لغزش قدم کو ہو

اتنے مین رنگ اور ہی قہر خدا کرے بجلی فلک سے گر کے قیامت بپا کرے
اُس نا خدا کی روح کو تن سے جدا کرے منجدھار مین پڑی ہوئی کشتی بہا کرے

گرداب مین پھنسے کبھی موجون مین جا پڑے
کیا جانے اس پہ بحر مین اُفتاد کیا پڑے

تیرے فراق میں ہے یہی حال قوم کا | تو ناخدائے کشتیِ اصلاحِ حال تھا
طوفان جو بغض و جہل و تعصب کا تھا بپا | تھی ان خرابیوں میں تری ذات رہنما

تجھ کو تو موت لے گئی باغِ نعیم مین
چھوڑا ہمین ورطۂ امید و بیم مین

یا یہ کہ راہِ راست سے گمراہ کاروان | شب کو لٹا پٹا کسی جنگل میں ہو روان
کچھ فاصلے پہ دشت سے اک نور ہو عیان | سمجھے وہ اس کو منزلِ مقصود کا نشان

دل خوش یہ جان کر ہو کہ جانا کدھر کو ہے
روشن وہین چراغ ہے بستی جدھر کو ہے

اتنے مین گر ہوا سے وہ بجھ جائے ناگہان | حالت وہ اہلِ قافلہ کی ہو کہ الامان
نظروں سے ہو گیا ہے ہماری جو تو نہان | احباب کا ترے وہی عالم ہے بیگمان

تو رہنمائے قوم تھا روشن دماغ تھا
اور اپنے بزمِ ملک کا چشم و چراغ تھا

بزمِ وطن میں یون تو بہت گل ہو کے چراغ | ویران سیکڑون گلِ تر کر گئے یہ باغ
لیکن یہ ہے محال کہ در صورتِ فراغ | دل سے مٹے یہ مادرِ ہندوستان کے داغ

بہتر یہی ہے کہ یہ ماتم بپا رہے
تا حشر دل مین زخمِ محبت ہرا رہے

گنبدے ہون سنگ و خشت کے کتنے ہی استوار | اُن کو مٹا ہی دیتا ہے نیرنگ روزگار
لیکن جو تیرے ملک پہ احسان ہین بیشمار | سب تیرے جوشِ حبِ وطن کے ہین یادگار

تیری زبانِ حال سے مدحت کہین گے یہ
تہذیب کا وجود ہے جب تک رہین گے یہ

گلزار قوم مین اگر آئے کبھی بہار | تو تازہ ہو گی روح تری بھی بنسیم دار
پودے ترے لگائے ہوے ہین جو بیشمار | تازہ کرینگے ذکر ترا ان کے برگ و بار

خندان گلِ مراد اگر ان مین ہوئینگے
شبنم کی طرح یاد مین ہم تیری روئینگے

ایک جوان مرگ دوست

(نوحہ)

سنہ ۱۹۰۴ء

اے فدائے پاس و حرمان اے شہید آرزو | خاک کے دامن مین کیسا بیخبر سویا ہے تو
چشمِ دل کو باعثِ حیرت ہے تیری جستجو | پھول تھا پر ہاتھ سے جاتا رہا مانند بو

لالہ و گل سے طبیعت تو نے بہلائی نہین
کیا ہوا باغِ جہان کی تجھ کو اس آئی نہین

ع۵ پنڈت پرتاب کشن گرٹو۔

قلزمِ عالم کی تو نے سیر کی مثلِ حباب
خواب کا نیرنگ تھا یا تھا ترا حُسنِ شباب
برق کا جلوہ تھا یا قوسِ قزح کی آب و تاب
یا شرر یا قطرۂ شبنم مین عکسِ آفتاب

خانۂ تن تھا ترا سیلِ فنا کے سامنے
شمع تیری زندگی کی تھی ہوا کے سامنے

ایک دم مین لٹ گئی تیری جوانی کی بہار
آہ ایسے بھی زمانہ سے گئے کم سوگوار
خود مرادین اور تمنائین ہین تجھ سے شرمسار
دِل ہی پہلو مین ترے یا آرزوون کا مزار

کون کہتا ہی کہ ہے زیرِ کفن میت تری
خاک و خون مین منھ لپیٹے ہی پڑی حسرت تری

پانون پھیلا کر جو یون سویا ہوا ہی بے خبر
کیا ہے خوابِ مرگ مین عجب اب جوانی کا اثر
دیکھ آنکھین کھول کر عالم ہی کیا پیشِ نظر
آئی ہی فردوس سے سر پیٹتی روحِ پدر

سروِ قد اُٹھا نہین جاتا اگر تعظیم کو
ہاتھ ہی اپنا ہلا دے آخری تسلیم کو

کچھ خبر ہے تجھ کو اے دلدادہ خوابِ فنا
ہے سرِ بالین پہ کیا ہنگامۂ محشر بپا
نعرہ ہائے درد یہ کیسے ہین یہ ماتم ہے کیا
چاک ہے کس کا گریبان کون ہی سر دھن رہا

ہے تڑپتا کون دل جینے سے کس کا سیر ہے
بال کس نے لاش پر کھولے یہ کیا اندھیر ہے

دیکھ تیری بیوہ غمگین پہ کیا اُفتاد ہے
محو حیرت یاس سے وہ کشتۂ بیداد ہے

مُہر خاموشی لبوں پر دل مین تیری یاد ہے
خانۂ ویران کی صورت خاطر ناشاد ہے

خاک آلودہ مسرت ہاے پنہان ہوگیئن
آرزوئین دل کی سب خواب پریشان ہوگیئن

درد دل اُس کا لب خاموش کہ سکتا نہین
اشک حسرت دیدۂ پُرنم سے بہ سکتا نہین

بند سینے مین مگر طوفان یہ رہ سکتا نہین
یہ وہ صدمہ ہو کہ دل انسان کا سہ سکتا نہین

محو حیرت ہم نشین ہین اس کی آہ سرد سے
سوزش پنہان عیان ہو اس کے رنگ زرد سے

خواب مین سنتا ہو جیسے نغمۂ شیرین بشر
جس سے طاری دل پہ ہو کیفیت جادو اثر

یہ نواے روح پرور بند ہو جائے اگر
آنکھ کھُلتے ہی سیاہی شب کی ہو پیش نظر

اِک عجب عالم ہو تب اِس دل بیتاب کا
جاگنے پر اُس گھڑی اُلٹا گمان ہو خواب کا

بس یہی عالم ہے تیری بیوہ ناشاد کا
نغمہ ہاے عیش سے تھے کان اس کے آشنا

ہوگیا ہو اب جو تیر اساز ہستی بے صدا
کس تحیر کس پریشانی مین ہو وہ بے نوا

کیا کہے درد جگر مُنھ سے کہا جاتا نہین
تیرے مرنے کا اُسے اب تک یقین آتا نہین

مادرِ ناشاد تیری وہ ازل کی سوگوار — پہلے ہی اس کی نگاہون مین بھی دنیا تنگ و تا
تیرے غم سے تھا بندھا شیرازۂ صبر و قرار — ہاے اس بیکس کا اب بیڑا کرے گا کون پا

آج اس کا مایۂ تاب و توان جاتا رہا
ناخداے کشتیِ بے بادبان جاتا رہا

وہ اسیرِ بیخودی تیری یتیم خردسال — پھول سے چہرہ پہ اُس کے ہے جمی گردِ ملال
کچھ طلسمِ آفرینش کا نہین کھلتا مآل — پیرِ گردون کے ستم سے مجھ کو حیرت ہے کمال

ہاے معصومون پہ بھی ظالم ترس کھاتا نہین
یہ رُلاتا ہے اُنھین رونا جنھین آتا نہین

کیا وہ نادان ہین جو کہتے ہین ز روے اعتبار — مصلحت رہتی ہے رنج و درد مین بھی آشکار
ہے فسانہ یہ حدیثِ صبر و تسکین و قرار — خوابِ ہستی کی نہین تعبیر ایسی زینہار

مین نظامِ دہر مین کچھ مصلحت پاتا نہین
اس سمندر کا مجھے ساحل نظر آتا نہین

خاک مین تجھ کو ملانا تھا اگر با اشک و آہ — کس لیے تجھ پہ ہوئی وا منزلِ ہستی کی راہ؟
ساتھ تیرے کیون ملے مٹی مین اتنے بے گناہ — زندگی جن کی ہے اب وابستۂ حالِ تباہ

لب فغان کو چشم ہے آنسو بہانے کے لیے
دل ہے جلنے کو جگر ہے داغ کھانے کے لیے

وائے بد قسمت کیا نیرنگِ دوران ہو گیا
تو عدم آباد پہونچا گھر بیابان ہو گیا
ہائے کیا دل تھا کہ وقفِ یاس حرمان ہو گیا
یا تمناؤن پہ اپنی آپ قربان ہو گیا

تو بہار زندگی مین تو رہا ناکام عیش
لب تلک آنے نہ پایا تھا کہ چھلکا جام عیش

عیش و عشرت کے ہزارون جس نے سامان ہون کیے
وہ مئے راحت کے بدلے خونِ دل اپنا پیے
کیسے کیسے رنج تجھ کو نامرادی نے دیے
ہائے تو دنیا مین آیا تھا اسی غم کے لیے

داغِ حسرت یادگار اپنا ہمین دے کر گیا
خود زمانے سے دلِ پر آرزو لے کر گیا

پھر رہی ہی دیدۂ مشتاق مین صورت تری
کھیلتی رہتی تھی ہر دم تیرے ہونٹھون پر ہنسی
ہے ہمارے پردہ ہائے گوش مین اب تک بسی
گفتگو تیری جوانی کی امنگون سے بھری

اب وہ لطفِ زندگی حاصل نہ ہوگا خواب مین
جانشین تیرا کہان ہے صحبت احباب مین

آہ وہ ربط و ضبط وہ اگلی ملاقاتین کہان
وہ بگڑنا اب کہان وہ میل کی باتین کہان
دل لگی کی ہر گھڑی ہر دم نئی گھاتین کہان
وہ زمانہ اب کہان وہ دن کہان راتین کہان

بے مزہ تیری مئی لطفِ جوانی ہو گئی
داستان عیش اپنی بھی کہانی ہو گئی

ساتھ کس کے ہوگی اب وقت سحر سیر چمن
گرم کس کی گفتگو سے ہوگی شب کی انجمن

خندہ پیشانی سے دیگا کون اب دادِ سخن
کون ہوگا موت پر مجھ خستہ جان کی نوحہ زن

تو مرا ہمدرد سچا آشنا جاتا رہا
زندگی کا لطف مرنے کا مزا جاتا رہا

چشم ظاہر بین کو اب دیدار تیرا ہی محال
ہے مگر آراستہ تجھ سے مری بزم خیال

یہ وہ عالم ہے جسے مانا ہے سب نے لازوال
ہو مخل یان اپنی صحبت مین فلک کی کیا مجال

ہان فنا کر دون گا مین نیرنگی تقدیر کو
آئینہ مین دل کے رکھون گا تری تصویر کو

صحبت احباب مین ہین گرچہ ہی رنج والم
کاشکے پیدا ہوے ہوتے کسی صحرا مین ہم

زندگی کا عیش ہوتا اور نہ مرنے کا ستم
ہان اگر ہوتا تو ہوتا ایک تنہائی کا غم

نوحہ خوان ہوتا نہ کوئی چرخ گردان کے تلے
قبر بن جاتی کہین ریگِ بیابان کے تلے

ہے مگر یہ دار فانی وہ طلسم دل نشین
یاد کم رکھتی ہے اس کی زحمتین طبع حزین

یہ وہ عقدہ ہے جو فکر و غور سے کھلتا نہین
جہل سے بدتر نظر آتی ہے عقل دوربین

ہاے اس دنیا کی پابندی عجب دلگیر ہے
خود پہنتا ہے جسے انسان یہ وہ زنجیر ہے

جلوۂ صبح

سنہ ۱۸۹۸ء

جب زنگ شب آئینۂ ہستی سے ہوا دور ہنگام سحر کون و مکان ہو گئے پرنور
تبدیل ہوئی صورت کوہ شب دیجور چمکا وہ تجلیٔ سحر سے صفت طور

بجلی کی طرح چرخ پہ نور سحر آیا
آنکھون کو نہ پھر خرمن انجم نظر آیا

تھی نور مین تفریح تو نور ارض و سما مین سرگرمی لشکر مین تھی بشر یاد خدا مین
تھی تازگی خنکی مین تو خنکی تھی ہوا مین شادابی تھی نگہت مین تو نکہت تھی صبا مین

خورشید منور کا دم جلوہ گری تھا
نور رخ مہتاب چراغ سحری تھا

دریاے فلک مین تھا عجب نور کا عالم چکر مین تھا گرداب صفت نیر اعظم
اٹھتی تھین شعاعون کی جو موجین وہ شرر دم سیارے حبابون کی طرح مٹتے تھے باہم

تھی شورش طوفان سحر غرب سے تا شرق
آخر کو سفینہ مہ گردون کا ہوا غرق

والشمس تھا کندہ شہ خاور کی نگین پر
واللیل کا باقی تھا نشان بھی نہ کہین پر
تھی مہر کی پھیلی جو ضیا چرخ برین پر
آنے لگا رہ رہ کے وہی نور زمین پر

ذرّون کا ستارہ بھی چمکتا نظر آیا
پیمانۂ خورشید چھلکتا نظر آیا

وہ صبح کا عالم وہ چمن زار کا عالم
مرغان ہوا نغمہ زنی کرتے تھے باہم
ہنگام سحر باد سحر چلتی تھی پیہم
آرام مین سبزہ تھا تہ چادر شبنم

ہر سمت بندھی نعرۂ بلبل کی ہوا تھی
غنچون کی نسیم سحری عقدہ کشا تھی

جو نخل تھا گلشن مین برومند کھڑا تھا
دامان سحر مین گل خورشید پڑا تھا
کیا خوب مقدر چمنستان کا لڑا تھا
ہر گل پہ گہر قطرۂ شبنم کا جڑا تھا

بلبل کہین طاؤس کہین گھوم رہے تھے
مستون کی طرح نخل چمن جھوم رہے تھے

مرغان چمن عالم مستی مین سحر دم
وصف چمن آرائے جہان کرتے تھے باہم
شاخین تھین کہین گردن تسلیم صفت خم
تسبیح خدا مین ہمہ تن محو تھی شبنم

غنچون کو بھی تھی ورد زبان حمد خدا کی
آتی تھی چٹکنے مین صدا صل علیٰ کی

تھا پیشِ نظر وادیٔ ایمن کا تماشا
ہر شاخ و شجر مین شجرِ طور کا نقشا
تھا آتشِ گل مین اثرِ برق تجلّےٰ
مدہوش تھے مرغانِ ہوا صورتِ موسیٰ

شکلِ یدِ بیضا تھی ہر اک شاخ نظر مین
اعجاز کا گل تھا کفِ گلچین سحر مین

رونق پہ دمِ صبح تھا مخانۂ عالم
تھم تھم کے ہوا چلتی تھی سردی بھی تھی کم کم
پیمانۂ مہتاب تھا لبریز سحر دم
تھا جام صبوحی کا لیئے نیرِ اعظم

گردون پہ شفق کی بھی عجب جلوہ گری تھی
مینائے فلک مین مئے گلرنگ بھری تھی

آبِ انگور

سنہ ۱۸۹۹ء

محیط دہر مین تہذیب کا جو دور ہوا — ہوا بدل گئی رنگِ زمانہ اور ہوا
دماغ کے لیے سامانِ فکر و غور ہوا — خدا کی شان جہان کا عجیب طور ہوا

گھٹا جو جہل تو سامانِ عز و جاہ بڑھے
شعور کو جو ترقی ہوئی گناہ بڑھے

جو غور و فکر ہوے زینت جنون آباد — سجائے عقل نے آسائشون کے باغِ مراد
بڑی ترقی علمی سے عیش کی بنیاد — براے نشہ ہوئی حکمت کشید ایجاد

جہان مین آبِ طرب کا ظہور اس سے ہوا
خیالِ پاس ادب دل سے دور اس سے ہوا

ہوئی جو بادہ کشی باغ دہر مین منظور — دلِ بشر سے ہوئی یک قلم مروت دور
برنگ شیشہ جو نازک تھا دانۂ انگور — کیا اک آن مین سنگِ جفا سے توڑ کے چور

دلِ عروس گلستان کو دردناک کیا
بھری بہار مین ظالم نے خون تاک کیا

کھنچی شرابِ تو کی بادہ کش نے یوں تعریف　　بجا ہے کیجیے آبِ طرب کی جو توصیف
مزاشباب کا آئے پیئے جو اسکو ضعیف　　دماغ ہو تر و تازہ وہ پاک صاف و لطیف

کہا ہی پھول تو کچھ اِس مین گفتگو بھی ہے
گلون کا رنگ بھی ہی اور گلون کی بو بھی ہے

نہ تھا یہ ہوش کہ اس پھول مین ہے رنگِ خزان　　تباہ ہوتی ہی اس سے بہارِ عمرِ روان
وہ بو ہی اس کی دماغِ بشر ہو جس سے گران　　ہی اس کے رنگ سے خونِ جگر کا رنگ عیان

ہی خوشگوار پہ سوہانِ روح و جسم ہے یہ
ہوئے اسیر ہزارون عجب طلسم ہے یہ

رفیق اس کی ہی مستی عدو شعور اس کا　　وداعِ ہوش کا سامان ہی ظہور اس کا
خمار مرگ جلائے وہ ہی سرور اس کا　　سیاہ قلب کو کر دے جو ہی وہ نور اس کا

لگائے آگ کلیجے مین جو وہ آب ہے یہ
کرے جو طرفہ قیامت وہ آفتاب ہے یہ

خیالِ بادہ کشی دل مین گر ہویدا ہو　　تمام قلب سیہ صورتِ سویدا ہو
زبان مزے پہ جو آبِ طرب کے شیدا ہو　　تو سوزِ آتشِ پنہان جگر مین پیدا ہو

زبان کے واسطے گو رشکِ انگبین ہے یہ
مگر جگر کے لئے آبِ آتشین ہے یہ

عدو بشر کی یہ ہے اِس پہ ہے خدا کا عتاب　　کسی کے دل مین کیے گھر نہ ہیں خانہ خراب
نہ اِس کے شوق مین برباد ہو کسی کا شباب　　کسی کے دل مین الٰہی نہ ہو ہوائے شراب

تباہ سیکڑون روشن دماغ اِس نے کیے
بُجھا کے داغ ہزارون چراغ اس نے کیے

ہزارون پردۂ عصمت کو چاک چاک کیا　　ہزار حُسن کا اِک اِک جوان ہلاک کیا
جگر کو خون کیا آرزو کو خاک کیا　　چمن جو تھے اُنھین صحرائے دردناک کیا

نشان مٹائے اُمنگون کے اور ارادون کے
لہو مین غرق سفینے کیے مرادون کے

کیا لحاظ نہ شاہون کا نے وزیرون کا　　بنایا دست نگر ہاتھ دستگیرون کا
کیا فقیر سے کم مرتبہ امیرون کا　　ریاض خاک مین سب مل گیا فقیرون کا

ہر اک کے خاطرِ بیکس کی آرزو کھوئی
جوان کا حُسن تو پیرون کی آبرو کھوئی

بس اس کی ہجو کا یارا نہین سخن کے لیے　　جگر کو نیش ہے یہ نوش ہو دہن کے لیے
مضر ہے اِس کی ہوس حفظ جان و تن کے لیے　　خزان ہے اس کی ہوا دین چمن کے لیے

چمن وہ کون کہ گر اک کلی بھی جھڑ جائے
بہارِ گلشنِ ایمان پہ اوس پڑ جائے

ہزار حیف کہ ہو دور بادۂ تہذیب — بشر کے واسطے دنیا مین باعث تخریب

نہ تھا زمانۂ وحشت مین گو یہ عیش نصیب — ولیک پاک گناہون سے تھا یہ عہد غریب

نہ تھا شعور تو دنیا بھی یون خراب نہ تھی
تمیز نشہ کی جب تک نہ تھی شراب نہ تھی

برسات
سنہ ۱۹۰ء

ہے دلاتی یاد مے نوشی فضا برسات کی — دل بڑھا جاتی ہے آ آ کر گھٹا برسات کی

بندھ گئی ہے رحمت حق سے ہوا برسات کی — نام کھلنے کا نہین لیتی گھٹا برسات کی

اُگ رہا ہے ہر طرف سبزہ در و دیوار پر — انتہا گرمی کی ہے اور ابتدا برسات کی

دیکھنا سوکھی ہوئی شاخون مین بھی جان آگئی — حق مین پودھون کے مسیحا ہے ہوا برسات کی

ہون شریک بزم مے زاہد بھی توبہ توڑ کر — جھومتی قبلے سے اُٹھی ہے گھٹا برسات کی

اصل تو یون ہے مے و معشوق کا جب لطف ہے — چاندنی ہو رات کو دن کو گھٹا برسات کی

وہ پپیہون کی صدائین اور وہ مورون کا رقص — وہ ہوائے سرد وہ کالی گھٹا برسات کی

پار اُتر جائین گے بحر غم سے رند بادہ نوش — لے اُڑے گی کشتی مے کو ہوا برسات کی

خود بخود تازہ اُمنگین جوش پر آنے لگین — دل کو گرمانے لگی ٹھنڈی ہوا برسات کی

وہ دعائین مے کشون کی اور وہ لطف انتظار — ہائے کن نازون سے چلتی ہے ہوا برسات کی

مین یہ سمجھا ابر کے رنگین ٹکڑے دیکھ کر
تخت پریون کے اڑا لائی ہوا برسات کی

نازہو جس کو بہار مصر و شام و روم پر
سرزمین ہند مین دیکھے فضا برسات کی

کلام متفرق

مری بیخودی ہے وہ بیخودی کہ خودی کا وہم و گمان نہین
یہ سرور ساغر مے نہین یہ خمار خواب گران نہین

جو ظہور عالم ذات ہے یہ فقط ہجوم صفات ہے
ہے جہان کا اور وجود کیا جو طلسم وہم و گمان نہین

یہ حیات عالم خواب ہے نہ عذاب ہے نہ ثواب ہے
وہی کفر و دین مین خراب ہے جسے علم راز جہان نہین

وہ ہے سب جگہ جو کرو نظر وہ کہین نہین جو ہو بے بصر
مجھے آج تک نہ ہوئی خبر وہ کہان ہے اور کہان نہین

نہ وہ خم مین بادہ کا جوش ہے نہ وہ حسن جلوہ فروش ہے
نہ کسی کو رات کا ہوش ہے وہ سحر کو شب کا سمان نہین

یہ زمین پہ چمن کا تھا دبدبہ کہ بلند عرش پہ نام تھا
اُنھیں یون فلک نے مٹا دیا کہ مزار تک کا نشان نہین

کس واسطے جستجو کرون شہرت کی
اِک دِن خود ڈھونڈھ لیگی شہرت مجھ کو

یون نہ انسان کا برگشتہ مقدر ہو جائے
مین اگر پھول اُٹھاؤن تو وہ پتھر ہو جائے

مغرب کے بوستان مین جو رنگِ خزان نہین
سنتے ہین اُس زمین پہ یہ آسمان نہین

کچھ اور ہی وہ شاعر معجز بیان نہین
جس کے سخن سے رنگ طبیعت عیان نہین

بلبل کی طرح شور مچاتے ہین رات دن
جو آشنائے لذتِ دردِ نہان نہین

مضمون آبدار ہین دُرہائے شاہوار
دریائے نور ہے مری طبع روان نہین

اظہار درد غیر سے کرتے ہین بوالہوس
ہم کو دماغ نالہ و آہ و فغان نہین

اس مردہ دل کو خاک نہین زندگی کا لطف
جس کی شباب مین بھی طبیعت جوان نہین

دوشِ صبا پہ رہتا ہون مانند مرغِ بُو
شاخِ شجر کو بار مرا آشیان نہین

جادو کسی کے حُسن کا چلتا ہو رات دن
بیکار نقش بندی کون و مکان نہین

کیا دیکھتے ہی دیکھتے دنیا بدل گئی
واللہ وہ زمین نہین وہ آسمان نہین

جہان مین یون ہون زبان جسطرح دہن کے لیے
سخن ہے میرے لیے اور مین سخن کے لیے

بشر کا دل وہ نہین سنگ و خشت ہے لاریب
کہ جس مین دردِ محبت نہ ہو وطن کے لیے

ابھی نیا جوش عشق کا ہے صلاح سُنتے نہین کسی کی
کرین گے آخر مین پھر وہی ہم جو چار یار آشنا کہین گے

ہمارے اور زاہدون کے مذہب مین فرق اگر ہے تو اس قدر ہے
کہین گے ہم جسکو پاس انسان وہ اُس کو خوفِ خدا کہین گے

اہل بینش کو تو ہستی مین خدا کی شک ہے — اُن پہ حسرت ہے جو بندے کو خدا کہتے ہین
نام مردون کا ازل سے ہے ابد تک زندہ — لوگ دنیا کو عبث دار فنا کہتے ہین

گل نہین تو بوئے گل ہی سے معطر ہو دماغ — کوئی رکھدیتا قفس میرا ہوا کے سامنے
رنج و رحمت کا سبب دنیا مین کچھ پایا نہین — حشر مین ہم صاف کہدینگے خدا کے سامنے

ہر دم ہے طبیعت کو اُلجھن اِک یاس کا عالم طاری ہے
یہ سانس نہین اِک کانٹا ہے یہ زیست نہین بیماری ہے

بڑھاپا نام ہی جس کا وہ ہی افسردگی دل کی — جوانی کہتے ہین جس کو طبیعت کی جوانی ہے
جگہ تھوڑی سی مل جائے اگر گورِ غریبان مین — دلِ ناشاد کی چھوٹی سی اِک تربت بنانی ہے

فصلِ گل مین عیشِ گل فصلِ خزان مین یادِ گل — مین اسیرِ الفت نیرنگ گلشن ہو گیا

چمن کو دیدۂ عبرت سے دیکھ اے بلبل — گلون سے پھوٹ کے رنگِ خزان نکل آیا
ازل کے دن جو تباہی کی فال دیکھی گئی — تو نام کشورِ ہندوستان نکل آیا

روح کو اپنی ہے عشقِ جوہرِ حسنِ لطیف — گل سے بڑھ کر ہی خیالِ رنگ و بو میرے لیے
خانہ ویرانی مری سب چاہتے ہین شکل دُر — اِک بلائے جان ہی میری آبرو میرے لیے
قطرۂ شبنم جیسے طوفان ہے وہ بلبل چمن مین — بوئے گل ہی باعثِ دردِ گلو میرے لیے
رُوح و قالب کی طرح روزِ ازل پیدا ہوا — لکھنؤ کے واسطے مین لکھنؤ میرے لیے

شیخ کو شوقِ شباب دیکھیے کب تک رہے　　ریش پہ رنگِ خضاب دیکھیے کب تک رہے

دکھاتا عشق کامل کچھ اثر گر بعد مردن بھی　　تو ہوتا مرقدِ لیلیٰ پہ سایہ بید مجنون کا

جو نکتہ سنج تھے اُن کا نشان نہین ملتا　　تمنا ہین کس کو سخن قدردان نہین ملتا
مٹایا گردشِ دوران نے اس طرح مجھ کو　　کہ بیکسی کو بھی میرا نشان نہین ملتا
کہان احاطۂ ہستی سے بھاگ کر جاوٗن　　نئی زمین نیا آسمان نہین ملتا
ہوئے قفس سے رہا بھی تو کس مصیبت مین　　اندھیری رات ہے اور آشیان نہین ملتا

ناشاد رہے ناکام رہے تقدیر ہی اپنی پھوٹ گئی
جس شاخ پہ ہم نے ہاتھ دھرا وہ شاخ وہین سے ٹوٹ گئی
اب چین کہان آرام کہان امید کہان ارمان کہان
آئی تھی الم کی فوج گران وہ دل کی بستی لوٹ گئی

ہے رنگ آنکھ کو محسوس اور دماغ کو بو　　وہ شے جو اصل مین گل ہے کہین چمن مین نہین

لارڈ کرزن سے جھپٹ

(نظم ظریفانہ)

وہ شبِ تار میں تاروں کا فلک پر جمگھٹ
چھپ گیا آنکھ سے بدلی جو زمیں نے کروٹ

دیکھنا شرق میں وہ صبح کا تارا چمکا
وہ عروسِ سحرِ نور نے الٹا گھونگھٹ

بڑھ کے رضوان نے وہ جنت کے دریچے کھولے
آئی وہ گلشنِ فردوس سے پھولوں کی لپٹ

چونک اُٹھا پیرِ فلک بانگ لگائی ایسی
مُرغ نے گربۂ مسکین کی جو پائی آہٹ

گدگدایا جو نسیمِ سحری نے آکر
ناز سے سبزۂ خوابیدہ نے بدلی کروٹ

نظر آتا ہے گلستان میں پرستان کا سماں
گل کھلے ہیں کہ ہیں پریوں کا چمن میں جمگھٹ

یہ بہارِ چمنستان یہ سحر کا عالم
ہاں ذرا بادۂ گلرنگ تو لانا جھٹ پٹ

ہاں وہ مے ہو کہ جو مل جائے کہیں تھوڑی سی
شیرِ مادر کی طرح شیخ بھی پی لے غٹ غٹ

دیکھنا لے کے صراحی مرا ساقی آیا
جام میں بادۂ گلرنگ دیا اُس نے اُلٹ

اب میں پیتا ہوں لبوں تک مرے ساغر پہونچا
ختم مے ہو گئی لو حلق سے اُتری تلچھٹ

عــہ یہ ظریفانہ نظم منشی سجاد حسین مرحوم اڈیٹر اودھ پنچ کے حسب فرمایش تصنیف کی گئی تھی اور اودھ پنچ میں شایع بھی ہوئی تھی۔ لارڈ کرزن نے کلکتہ یونیورسٹی کے کانووکیشن کے موقع پر ایک تقریر فرمائی تھی جس میں ہندستانیوں کی تہذیب اخلاق پر سخت اور ناجائز حملہ کیا تھا۔ اسی کا ذکر اس نظم میں ہے ۔

آگیا جوش طبیعت مین بڑھی گردش خون | ڈوڑے آنکھون کے ہوئے لال بھری گرماہٹ

نشہ مین چور ہون اور سوجھتی ہے دور کی اب | ڈر ہے کرزن سے ہو جائے کہین مجھ سے جھپٹ

یہی سامنے میرے ہے شبیہ کرزن | رنگ اس طرح بدلتی ہے کہ جیسے گرگٹ

سرخ غصہ سے کبھی زرد کبھی صدمہ سے | خوف کے مارے کبھی رنگ مین ہے نیلاہٹ

آئے ہین آپ تو کچھ حضرت کرزن سنیئے | آپ اگر منہ کے کڑے ہین تو ہون مین بھی منہ پھٹ

آگیا طیش مجھے دل کا نکالون گا بخار | صاف کہتا ہون نہین بات مین اپنی بنوٹ

مانیے گا نہ برا آدمی ہین آپ شریف | عالم نشہ مین بک جاؤن اگر کچھ سٹ پٹ

ہان یہ کیون آپ کے گم ہو گئے ہین ہوش حواس | کنووکیشن مین یہ دکھلائی ہے کیا جھلاہٹ

گل فشانی کے عوض دور کیا دل کا بخار | خوب پھینکا سر احباب پہ کوڑا کرکٹ

دین صلاحین ہمین کس رنگ کی ماشاءاللہ | خوب ہم جانتے ہین آپ ہین جیسے نٹ کھٹ

گالیان کس لیے درپردہ سنائین ہم کو | ناچنے نکلے تو پھر منھ پہ یہ کیسا گھونگھٹ

یاد رہ جائے گی لیکن ہے وہ ٹھوکر کھائی | توسن طبع کو اب پھر نہ اڑانا سرپٹ

اہل بنگال نے کیا خوب کیا ہے حملہ | کیا تری فوج مضامین نے ہے کھایا گونگھٹ

منھ دکھانا تجھے واجب نہین کلکتہ مین | اب مٹنا تجھے رہنے کے لیے ہے چنہٹ

خوب بوچھار ہوئی چار طرف سے تجھ پر | پانیر تک کو نہ خوش آئی تری زینٹ ریٹ

کانگریس والے تو کیا خوش نہین تجھ سے دل مین | دشمن ملک علیگڈھ کے پڑانے گھوسٹ

عه لکھنؤ کے قریب ایک قصبہ ہے ۔

تاج وقعت کا اُٹھا سر سے ترے چلتے وقت
بے چراغ آئے نظر صبح کو جیسے ڈیوٹ

جس سے ناشاد رعایا ہے وہ ہے دور ترا
کر دیا ملک کو اس پانچ برس مین چوپٹ

بس ترا چل نہ سکا قحط و وبا سے کچھ بھی
شہر ویران ہین آباد ہے جن مین مرگھٹ

اب مناسب ہے یہی کیجیے پنجڑا خالی
ہم بھی خوش آپ بھی خوش دونوں کی چھوٹے جھنجھٹ

تو ہو جانے پہ جو راضی تو قسم سر کی ترے
کر کے چندہ تجھے ہم دیوین ولایت کا ٹکٹ

اور جو تجھ کو نہین منظور یہ احسان لینا
بھیجدین ہم تجھے بیرنگ بنا کر پیکٹ

یہی اقرار یہی قول یہی وعدہ تھا
او سخن ساز زبان ساز فسونگر نٹ کھٹ

پھونک ڈالے تری اسپیچون کے بنڈل ہم نے
اب کی ہولی مین جلائے نہین چیلے بنکٹ

چیمبرلین سے اُستاد کا شاگرد ہے تو
یاد ہین مِل کے مقولے نہ ہول پیکٹ

کونسل کے جو ترے ممبر سرکاری ہین
وہ بھی کم بخت ہین سب چور کے ساتھی گلکٹ

یا الٰہی یہ چلی بادِ مخالف کیسی
آگیا اُڑ کے جو لندن سے یہ کوڑا کرکٹ

ہین مگر ملک مین دو چار تہمتن یان بھی
آتے ہین تیرے مقابل مین جو لیتے ہین اُلٹ

یاد رکھ حشر تلک بھی نہ تجھے بھولے گی
گوکھلے کی وہ چپھاڑ اور وہ مہتا کی ڈپٹ

چل یہان سے تجھے ولایت مین خبر لینگے تیری
چین سے رات کو سوئے گا نہ تو اک کروٹ

دادخواہون کا پولس ہی وہی دربار عظیم
پارلیمنٹ مین لکھائین گے ہم تیری رپٹ

بچ گیا وان بھی تو پھر حشر مین ہوگا انصاف
کام آئے گی خدا سے نہ تری زیٹ زپٹ

عـه ایک انگریزی مصنف

تالیان پٹین گے رسوائی پہ تیری مظلوم — دیدنی ہوگی قیامت مین تری گھبراہٹ

اب بھی آ ہوش مین انداز حکومت کو بدل — مرد ہو کیسے تجھے وجب نہین پرواہٹ

سوچ انجام کو اک روز ہے سب کو مرنا — ہے نمک خوار ہمارا تو نہ کر ہم سے کپٹ

بیٹھ کرسیِ وزارت پہ سنبھل کر پیارے — آہِ مظلوم نے شاہون کے دیے تخت اُلٹ

اب مرا نشہ اُترتا ہے مین ہوتا ہون خمش — بس ترے واسطے کافی ہے یہی سرٹیفکٹ

آگیا ہوش مجھے کھل گئین آنکھین لیکن — اب وہ کرزن نظر آتے ہین نہ وہ اُن کا چرٹ

میرے مولا مری بگڑی کے بنانے والے — تو ہی تقدیر اب اس خطۂ بیکس کی پلٹ

شاہِ اڈورڈ کا اقبال بڑھا دنیا مین — جس پہ سر پھوڑتے ہین ہم وہ ہے اس کی چوکھٹ

بس زبان اب نہ ہو تو معرکہ آرائے سخن — رشک سے مرقدِ سودا نہ کہین جائے اُلٹ

اے عروسِ سخن اللہ رے جوبن تیرا — لاٹ صاحب کو بھی بھاتی ہے تری الف کی لٹ

حضرتِ شیخ سے بگڑین گے تو بن جائینگے

لاٹ صاحب کو مناسب نہین یان گھبراہٹ

کملا

(ڈراما)

مصنفہ پنڈت برج نرائن صاحب چکبست لکھنوی

ملنے کا پتہ

منشی صادق علی ۴۵ گولہ گنج۔ لکھنؤ

قیمت ۸/

کتاب ملنے کا پتہ
مینیجر ہندوستانی پریس نظیر آباد
لکھنؤ